ماہنامہ

اخبار احمدیہ

جرمنی

جنوری 2021ء جلد نمبر 22 شمارہ نمبر 01

اور صلح (بہر حال) بہتر ہے

(النساء:129)

پاکستان اور الجزائر کے احمدیوں کے لئے دعاؤں کی خصوصی تحریک

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ 25 دسمبر 2020ء کے آخر پر احباب جماعت کو پاکستان اور الجزائر کے احمدیوں کے لئے دعاؤں کی خصوصی تحریک کرتے ہوئے مندرجہ ذیل دعاؤں کا کثرت کے ساتھ ورد کرنے کا ارشاد فرمایا:

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ

نیز فرمایا:

پاکستان میں رہنے والے احمدی خاص طور پر نوافل اور دعاؤں پر زور دیں۔ اِستغفار کی طرف بھی توجہ دیں۔ درود کی طرف بھی توجہ دیں، آج کل اس کی بہت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق بھی دے اور جلد وہاں کے حالات بھی درست فرمائے، آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمدی معاشرے میں، پیار اور محبت اور بھائی چارے کی فضا کو پیدا کریں

سالِ نَو کے آغاز پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد

آج نئے سال کا پہلا دن ہے اور پہلا جمعہ ہے۔ دعا کریں کہ یہ سال جماعت کے لیے، دنیا کے لیے، انسانیت کے لیے بابرکت ہو۔ ہم بھی اپنا فرض ادا کرتے ہوئے پہلے سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے والے اور اپنی عبادتوں کے معیار بڑھانے والے ہوں۔ اور دنیا والے بھی اپنی پیدائش کے مقصد کو سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے والے بن جائیں اور ایک دوسرے کے حقوق کو پامال کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلتے ہوئے ایک دوسرے کے حق ادا کرنے والے بن جائیں ورنہ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رنگ میں دنیا والوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ کاش کہ ہم اور دنیا کے تمام لوگ اس اہم نکتہ کو سمجھ جائیں اور اپنی دنیا و عاقبت سنوار سکیں۔

گذشتہ ایک سال سے ہم ایک نہایت خطرناک وبائی مرض کا سامنا کر رہے ہیں، کہیں کم اور کہیں زیادہ۔ اور دنیا کا کوئی ملک بھی اس وبا سے باہر نہیں ہے۔ لیکن لگتا ہے کہ دنیا کی اکثریت اس بات کی طرف توجہ نہیں دینا چاہتی کہ کہیں یہ وبا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اپنے حقوق و فرائض کی طرف توجہ دلانے کے لیے نہ ہو۔ یہ تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہلانا چاہتا ہے، بتانا چاہتا ہے، توجہ دلانا چاہتا ہے۔ اس طرف کسی کی سوچ نہیں۔ چند ماہ پہلے میں نے بہت سے سربراہان حکومت کو اس طرف توجہ دلانے کے لیے خطوط لکھے تھے اور کووِڈ کے حوالہ سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ کے حوالہ سے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ یہ آفات خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے حقوق و فرائض بھولنے اور ادا نہ کرنے بلکہ ظلم میں بڑھنے کی وجہ سے آتی ہیں۔ اس لیے توجہ کریں۔ بعض سربراہان نے جواب بھی دیے۔ لیکن ان کے دنیاداری والے جواب تھے کہ ہم بھی یہی چاہتے ہیں (دنیا کی نظر سے اُبالی باتیں کیں۔ دین والی بات نہیں کی۔ خدا کا بہت بڑا خانہ جو بیچ میں تھا، میں نے بیان کیا تھا، اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔) اور ضرور ایسا ہونا چاہیے۔ لیکن نہ یہ لوگ اپنی حالتوں کو بدلنے کی طرف عملی قدم اُٹھانا چاہتے ہیں نہ قوم کے ہمدرد بن کر قوم کو اصل مقصد کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ یہ جاننے کے باوجود کہ اس وبا کے بعد کے اثرات بہت خطرناک ہوں گے۔ یہ دنیا کے ہر لیڈر کو پتہ ہے۔ ہر عقلمند انسان کو پتہ ہے۔ ہر تجزیہ نگار کو یہ بات پتہ ہے لیکن اس کے باوجود اصل حل کی طرف توجہ نہیں ہے۔ صرف دنیا کی جو کوششیں ہیں اُسی کی طرف توجہ ہے۔

اس بیماری سے صحت کے لحاظ سے جو متاثرین ہیں وہ تو ہو رہے ہیں لیکن عمومی طور پر ہر ایک معاشی لحاظ سے بھی متاثر ہو رہا ہے۔ بلکہ بڑی بڑی امیر حکومتوں کی معیشتوں کی بھی کمریں ٹوٹ رہی ہیں۔ دنیا داروں کے پاس اس کا صرف ایک حل ہے کہ جب ایسی صورت حال ہو جائے گی تو دوسرے چھوٹے ملکوں کی معیشتوں پر قبضہ کیا جائے۔ ان کو کسی طرح اپنے جال میں پھنسایا جائے، اپنے دام میں لایا جائے اور پھر بہانے بہانے سے ان کی دولتوں پر قبضہ کیا جائے۔ اس کے لیے بلاک بنیں گے اور بن رہے ہیں۔ سرد جنگ دوبارہ شروع ہو جائے گی۔ اور اب کہا جانے لگا ہے کہ ایک طرح سے شروع ہو گئی ہے۔ اور کوئی بعید نہیں کہ اصل ہتھیاروں کی جنگ بھی ہو جائے جو نہایت خوفناک جنگ ہو گی۔ پھر یہ لوگ ایک اَور گہرے کنویں میں گر جائیں گے۔ غریب ملک تو پہلے ہی پسے ہوئے ہیں، امیر ملکوں کے عوام بھی پسیں گے اور بڑی خوفناک حد تک پسیں گے۔

پس اس سے پہلے کہ دنیا اس حالت کو پہنچے، ہمیں اپنا فرض ادا کرتے ہوئے دنیا کو ہوشیار کرنا چاہیے..... ہر احمدی کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے سپرد ایک بہت بڑا کام کیا گیا ہے۔ اور اس کے سرانجام دینے کے لیے پہلے اپنے اندر، اپنے معاشرے میں، احمدی معاشرے میں، پیار اور محبت اور بھائی چارے کی فضا کو پیدا کریں اور پھر دنیا کو اس جھنڈے کے نیچے لائیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا جھنڈا ہے، جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بلند کیا تھا۔ تبھی ہم اپنی بیعت کے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ تبھی ہم بیعت کا حق ادا کرنے والے بن سکتے ہیں۔ تبھی ہم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہو سکتے ہیں۔ اور تبھی ہم نئے سال کی مبارکباد دینے اور لینے کے مستحق قرار دیے جا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہر احمدی مَرد، عورت، جوان، بچہ اور بوڑھا اس بات کو سمجھتے ہوئے یہ عہد کرے کہ اس سال میں نے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک احمدی کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

لا اِلٰہ اِلّا اللہ محمد رسول اللہ

اخبار احمدیہ

ماہنامہ — جرمنی

جمادی الاولیٰ/جمادی الثانی 1442ہجری قمری　جنوری2021ء　جلدنمبر 22　شمارہ نمبر 01　صلح 1400ہجری شمسی

مجلس ادارت

سرپرست

محترم عبداللہ واگس ہاؤزر صاحب
امیر جماعت احمدیہ جرمنی

مدیراعلیٰ

محمد الیاس منیر

مدیر

محمد انیس دیالگڑھی

معاونین

سلطان احمد قمر، مدبّر احمد خان، سید سعادت احمد

پروف ریڈنگ

عبدالرحمٰن مبشر، سید افتخار احمد

ڈیزائننگ و کمپوزنگ

مرزا لطف القدوس، آفاق احمد زاہد، طارق محمود

سرِورق

احسان اللہ ظفر

مینیجر

سید افتخار احمد

کیلیگرافی

سعید اللہ خان

پتہ

شعبہ اشاعت جماعت احمدیہ جرمنی
Genfer Str.11,
60437 Frankfurt am Main, Germany
Email: akhbareahmadiyya@ahmadiyya.de
Tel & Fax: +49-69 50688722

فہرست مضامین

04	قال اللہ جلّ جلالہٗ، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
05	تبرکات
06	نظم: جب آئے گا تو صُلح کو وہ ساتھ لائے گا
07	خطبہ جمعہ: پیار، محبت، امن اور صلح کا ذریعہ
12	ہجری شمسی کیلنڈر کا بارھواں مہینہ ’صلح‘
13	’’شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے‘‘
27	تعارف کتب: ’’پیغامِ صلح‘‘
28	اپنی کہانی اپنی زبانی
32	ادبی صفحہ: کہاوتوں کی کہانیاں
33	جرمنی میں احمدیہ مشن کا اِحیائے نَو
36	مخلص جرمن احمدی مسلمان کا ذکرِ خیر
39	’نُوروں نہلائے ہوئے قامتِ گلزار کے پاس‘
41	باد مارین برگ میں پہلی مسجد ’بیت القدّوس‘ کا قیام
43	ایک نفرت آمیز خط تبلیغِ اسلام کا ذریعہ بن گیا
45	جماعت احمدیہ فُلڈا کے لئے شہری اعزاز
47	بلانے والا ہے سب سے پیارا (اعلانات وفات)

اخبار احمدیہ جرمنی کے تازہ و گزشتہ شمارہ جات مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر بھی دیکھے اور پڑھے جاسکتے ہیں
https: //www.alislam.org/akhbar-e-ahmadiyya/

13

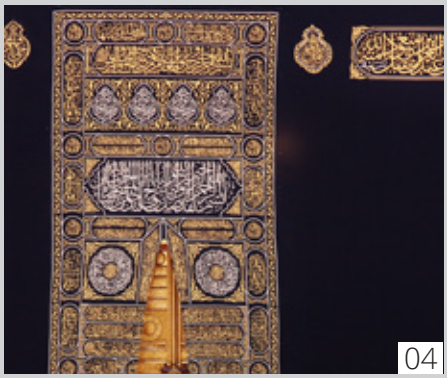
04

39

13

07

33

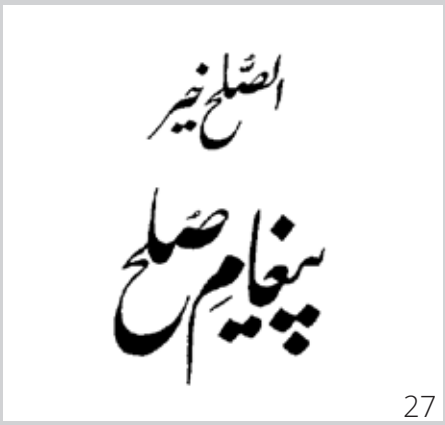

27

28

41

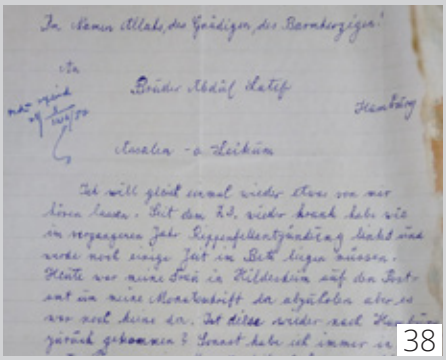
38

Eine Moschee kämpft gegen den Hass
43

45

36

قال اللہ جل جلالہ

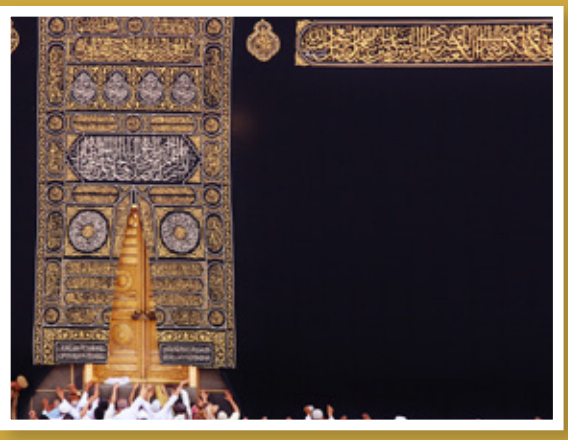

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(الحجرات:11)

مومن تو بھائی بھائی ہی ہوتے ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کروایا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

قال النبی ﷺ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ:

”إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا“

(صحیح مسلم باب التحریم الظن)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب مت تلاش کرو، حرص مت کرو، حسد مت کرو، بغض مت کرو، ایک دوسرے سے منہ مت پھیرو، اور اللہ کے بندے، بھائی بھائی بن جاؤ۔

قال المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

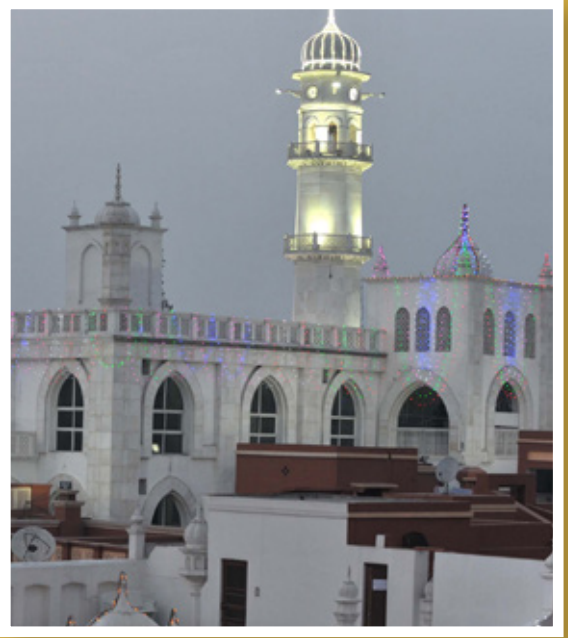

”تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہوسکتا۔ کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں۔ خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو کہ وہ قدوس اور غیور ہے“۔ (کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13-12)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

”آپس میں صلح کاری اختیار کرو۔ صلح میں خیر ہے۔ جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ خدا کے نیک بندے صلح کاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور اگر کوئی لغو بات کسی سے سنیں۔ جو جنگ کا مقدمہ اور لڑائی کی ایک تمہید ہو تو بزرگانہ طور پر طرح دے کر چلے جاتے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر لڑنا شروع نہیں کر دیتے۔ یعنی جب تک کوئی زیادہ تکلیف نہ پہنچے اس وقت تک ہنگامہ پردازی کو اچھا نہیں سمجھتے اور صلح کاری کے محل شناسی کا یہی اصول ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو خیال میں نہ لاویں اور معاف فرماویں اور لَغو کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے سو واضح ہو کہ عربی زبان میں لغو اس حرکت کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص شرارت سے ایسی بکواس کرے یا بہ نیت ایذا ایسا فعل اس سے صادر ہو کہ دراصل اس سے کچھ ایسا حرج اور نقصان نہیں پہنچتا۔ سو صلح کاری کی یہ علامت ہے کہ ایسی بیہودہ ایذا سے چشم پوشی فرماویں اور بزرگانہ سیرت عمل میں لاویں“۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 349)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

”اپنے گھروں کو دیکھو۔ اپنی برادری کو دیکھو اور دکھ سے کہتا ہوں کہ بعض بعض احمدیوں کو بھی دیکھو کہ ان میں بغض اور کینہ موجود ہے۔ ابھی تم کچھ ہوئے بھی نہیں' پھر بھی تم میں وہی فساد ہے جو پہلے تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو بغض اور عداوت پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر تمہارے اندر بغض اور عداوت ہے تو تم نے اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں کو چھوڑ دیا۔ ایک جگہ آتا ہے کہ کفار کو فجار کے عذاب دینے کے لئے ہم نے پیدا کیا“۔ (اخبار بدر 30 جنوری 1913ء صفحہ 8)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

”میں پھر ایک دفعہ جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس معاملہ میں بہت اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہئے کہ لوگ سمجھیں ہم نے اپنے جذبات پر پورا پورا قابو پا لیا ہے۔ سوچنا چاہئے کیا سارے ہندو، سارے عیسائی، سارے سکھ آپس میں لڑتے رہتے ہیں؟ نہیں۔ ان میں بھی اگر بعض لڑنے والے ہیں تو بعض صلح جُو بھی ہیں۔ پس اگر ہمارا بھی یہی حال ہوا کہ ہم میں بھی بعض جھگڑا فساد کرنے والے اور بعض صلح پسند ہوں تو دوسروں سے ہمیں امتیاز کیا ہوا۔ امتیاز تو جب ہی ہو سکتا ہے کہ یا تو ہم میں سے جھگڑے فساد کی عادت بالکل مٹ جائے یا پھر ایسی خفیف رہ جائے کہ کبھی نظر نہ آئے اور اگر کوئی ایسا آدمی ہو جو ایسی حرکت کا ارتکاب کرے تو جماعت محسوس کرے کہ یہ کالی بھیڑ ہے جس نے ہمیں بدنام کیا ہے“۔ (خطبات محمود جلد 12 صفحہ 211)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ہر احمدی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بنیادی نقطہ کو ہمیشہ یاد رکھے کہ ہم کسی کے دشمن نہیں۔ جو شخص خود کو ہمارا دشمن سمجھتا ہے اُس کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بھی غلطی پر ہے۔ اس لئے کہ آج نہیں تو کل اُسے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دراصل اس کا مقام بھی دشمنی کا نہ تھا کیونکہ کہا جاتا ہے تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ جب ہم کسی کے دشمن نہیں تو تم ایک ہی ہاتھ سے ہمارے دشمن کیسے بن جاؤ گے۔ غرض ہم کسی کے دشمن نہیں، مگر یہ تو ایک منفی اعلان ہے۔ اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں۔ ہم ہر انسان سے ہمدردی رکھتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جماعت احمدیہ کو اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ وہ انسان کے دل کو خدا اور خدا کے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محبت اور پیار کے ساتھ جیتے۔ اس لئے ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بنی نوع انسان کے دل پیار اور محبت کے ساتھ جیتنے ہیں۔ (خطبات ناصر جلد 5 صفحہ 590)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”مجھے ان سے پیار ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل ہیں۔ جن کا افق وسیع ہے، جن کے پاس درگزر کرنے کی صلاحیت ہے۔ جو لوگوں میں گھل مل کر رہتے ہیں اس کے باوجود کہ انہیں تنگ کیا جائے۔ وہ معاف کرنا جانتے ہیں۔ وہ درگزر کرنا جانتے ہیں اور باوجود اس کے کہ ان پر ظلم ہو وہ اپنے دشمنوں سے معافی طلب کریں، بجائے اس بات کا انتظار کرنے کے کہ ظلم کرنے والے ان کے دروازے کھٹکھٹا کے معافی طلب کریں۔ جن پر ظلم ہوتا ہے وہ فیصلہ اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور جا کر ظالموں سے معافی مانگ لیتے ہیں۔ یہ ایک عجیب تعلیم ہے مگر حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ ”سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو“۔ (”خطبات طاہر جلد 10 صفحہ 484)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

”ہماری مساجد اس تعلیم کا پرچار کرنے والی ہوں جو پیار محبت اور حلم کی بنیاد ڈالنے والی ہے۔ ہم تو ہر حال میں صلح کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے دنیا کو امن دینے کے خواہش مند ہیں۔ ہم نے تو دنیا کی تکلیفیں دُور کرنے کے لئے ہمیشہ قربانیاں دی ہیں اور ہمیشہ قربانیاں دیتے چلے جائیں گے۔ آج دنیا میں جماعت احمدیہ کا تعارف ہی دنیا کی تکلیفوں کو دُور کرنے میں صف اوّل میں رہنے والوں کے حوالے سے ہے۔ جو لوگ بھی ہمیں جانتے ہیں، وہ اسی لئے جانتے ہیں کہ یہ ایک امن پسند جماعت ہے۔ بلکہ مَیں تو یہ کہوں گا کہ ہم سب سے آگے ہیں کیونکہ ہماری خدمات بے لوث ہیں اور جہاں بھی موقع ملتا ہے بغیر امتیاز کے ہر جگہ پر ہیں“۔ (خطبات مسرور جلد ششم ص 461، 462)

جب آئے گا تو صُلح کو وہ ساتھ لائے گا

اب چھوڑ دو جہاد کا اَے دوستو خیال
دِیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کی تمام جنگوں کا اب اِختتام ہے

اب آسماں سے نُورِ خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبیؐ کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبیؐ کی حدیث کو
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اُس خبیث کو

کیوں بھولتے ہو تم یَضَعُ الْحَرْب کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر

فرما چکا ہے سیّدِ کونین مصطفٰے
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کردے گا اِلتوا

جب آئے گا تو صُلح کو وہ ساتھ لائے گا
جنگوں کے سِلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا

پیویں گے ایک گھاٹ پہ شیر اور گوسپند
کھیلیں گے بچے سانپوں سے بے خوف و بے گزند

یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا
بھولیں گے لوگ مشغلہ تِیر و تفنگ کا

یہ حکم سُن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائے گا

اِک معجزہ کے طور سے یہ پیش گوئی ہے
کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

القصّہ یہ مسیح کے آنے کا ہے نشاں
کر دے گا ختم آ کے وہ دیں کی لڑائیاں

(انتخاب از اشاعتِ دین بزورِ شمشیر حرام ہے۔ درثمین، ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ 26 مطبوعہ 1902ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زبان مبارک سے

وہ اعلیٰ اخلاق اپنائیں جو حقیقی مومن کا معیار ہیں

پرسکون معاشرہ کے قیام کے لئے زریں نصائح

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر حقیقی مومن کی نشانی بتاتے ہوئے فرمایا کہ حقیقی مومن وہی ہے جو، جو چیز اپنے لئے چاہتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے، دوسرے کے لئے چاہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب الورع والتقویٰ حدیث 4217)۔ یہ ایک ایسا رہنما اصول ہے جو دنیا میں ہر سطح پر گھر سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک پیار محبت اور صلح کی بنیاد ڈالتا ہے۔ جھگڑوں کو ختم کرتا ہے۔ دلوں میں نرمی پیدا کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے حق ادا کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

مَیں نے کئی موقعوں پر غیروں کے سامنے یہ بات رکھی تو بڑے متأثر ہوتے ہیں لیکن ہمارا مقصد صرف اچھی بات بتا کر لوگوں کو متأثر کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے عمل سے اس بات کی اور ہر اسلامی حکم کی خوبصورتی ثابت کرنا بھی ہے۔ ہمیں غیر سوال کر سکتے ہیں کہ بہت اچھی بات ہے لیکن بتاؤ تم میں سے کتنے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔ جب موقع آئے تو خود غرضی نہیں دکھاتے۔ بات کی خوبصورتی تو اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب بات کہنے والا خود بھی اس پر عمل کر رہا ہو۔ لوگوں کو ہماری امتیازی خصوصیت تو تبھی پتا چلے گی جب ہمارے قول و فعل ایک جیسے ہوں گے۔ لوگ صرف بات سننے تک نہیں رہتے بلکہ ہمیں دیکھتے بھی ہیں۔ مَیں نے جرمنی کے سفر کے دوران وہاں جو آخری جمعہ پڑھایا غالباً اس میں ذکر کیا تھا کہ جب جرمنی میں مسجد کے افتتاح کے موقع پر اس علاقے کے ڈسٹرکٹ کمشنر نے یہ اعتراض کیا کہ تم لوگ عورتوں سے ہاتھ نہ ملا کر ان کے ساتھ غلط رویّہ دکھاتے ہو۔ تو جب میں نے اس کا کچھ تفصیلی جواب دیا تو ایک شخص نے بعد میں اپنے تأثرات دیتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ بالکل ٹھیک بات ہے ہر ایک کو آزادی ہے اور جو اس کا مذہب کہتا ہے یا روایات کہتی ہیں اس پر عمل کرنا اس کا حق ہے جبکہ ملک کا یا عوام کا اس سے نقصان بھی نہ ہو رہا ہو۔ کہنے لگا لیکن یہ بات تو تمہارے خلیفہ نے کہی ہے۔ اس کی حقیقت تو تب پتا چلے گی جب ہم دیکھیں گے کہ احمدی نوجوان بھی اس پر عمل کرتے ہیں یا نہیں، یا ان کی اکثریت اس پر عمل کرتی ہے یا نہیں۔ پس جب ہم مذہب

کے حوالے سے کسی حکم کی اور اس حوالے سے اعلیٰ اخلاق کی بات کرتے ہیں تو غیر ہمیں دیکھتے بھی ہیں کہ ان کا اپنا عمل کیا ہے۔ اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا جو آنحضرت ﷺ نے مومن کے اعلیٰ اخلاق قائم کرنے کے لئے بتائی کہ تمہارے حقیقی مومن ہونے کا تب پتا چلے گا جب تمہارے اخلاق بھی اعلیٰ ہوں گے۔ تمہارے ایک دوسرے کے لئے جذبات اور احساسات کے معیار بلند ہوں گے۔ اور وہ معیار کیا ہیں؟ یہ کہ جو چیز تم اپنے لئے پسند کرو وہ دوسرے کے لئے پسند کرو۔ یہ نہیں کہ اپنے حقوق لینے کے لئے انصاف انصاف کی آوازیں بلند کرتے رہو اور دوسروں کے حقوق دیتے وقت منفی رویّہ دکھاؤ۔

پس ہم جس طرح اپنے حقوق لینے کے لئے بے چین ہوتے ہیں دوسرے کو حقوق دینے کے لئے بھی وہی معیار قائم کرنے چاہئیں۔ ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو ہم جب اپنے لئے یہ چاہتے ہیں کہ ہماری غلطی معاف ہو اور ہم سے کوئی مؤاخذہ نہ ہو، ہمیں سزا نہ ملے تو پھر جب کوئی دوسرا کوئی غلطی کرتا ہے جس سے ہم متأثر ہو رہے ہوں تو اس کے لئے پھر ہمیں بھی اگر وہ کوئی عادی مجرم نہیں ہے، وہ بار بار غلطیاں نہیں دہرا رہا، یہی رویّہ اپنانا چاہئے کہ معاف کر دیں۔ ہاں اگر کسی غلطی سے جماعت یا قومی مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہو تو پھر یہ فردی غلطی نہیں ہوتی اور اس کا جرم پھر قومی جرم بن جاتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کا فیصلہ بھی ادارے کرتے ہیں، کوئی شخص نہیں کرتا۔

بہرحال میں یہ بات کر رہا ہوں کہ معاشرے کے روزمرہ کے آپس کے معاملات میں جو حق ہم اپنے لئے سمجھتے ہیں وہ حق دوسرے کو بھی دیتے ہیں یا نہیں یا دینے کی ہماری سوچ ہے یا نہیں۔ اور اس میں بنیادی اِکائی گھر ہے، دوست احباب ہیں، بہن بھائی ہیں، دوسرے رشتہ دار ہیں۔ جب چھوٹے پیمانے پر، اپنے چھوٹے سے حلقے میں یہ سوچ ہو گی تو پھر معاشرے میں وسیع طور پر بھی یہی سوچ پھیلے گی۔ خود غرضیاں ختم ہوں گی۔ حق دینے کی باتیں زیادہ ہوں گی۔ معاف کرنے کے رجحان بڑھیں گے۔ سزا دینے یا دلوانے کے رجحان میں کمی ہو گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی ظاہری حقوق اور ضروریات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ معاف کرنے کے رجحان کو بھی اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (آل عمران:135)۔ یعنی وہ لوگ جو آسائش میں بھی خرچ کرتے ہیں اور تنگی میں بھی اور غصّہ دبا جانے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

پس پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے حق کی ادائیگی کے لئے خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے جو ضرورتمند ہیں۔ محسن تو ہے ہی وہ جو دوسروں کے کام آنے والا ہو۔ ان کو فائدہ پہنچانے والا ہو۔ نیکیوں پر قائم رہنے والا ہو۔ تقویٰ پر چلنے والا ہو۔ پس جو نیکیوں پر قائم رہنے والا اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی خاطر اور تقویٰ پر چلتے ہوئے فائدہ پہنچانے والا ہو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں بے نفس ہوتا ہے۔ خُچپ کر اور ظاہراً اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خرچ کرتا ہے۔ اور جب یہ حالت انسان میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ خود غرضیاں نہیں دکھاتا۔ اپنے بھائی کے لئے برائی نہیں چاہتا۔ اور ایسے لوگ روحانی طور پر بھی ترقی کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگ پھر ان لوگوں میں شامل ہوجاتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محسنین کی یہ بھی نشانی ہے کہ وہ اپنے جذبات پر بھی کنٹرول رکھنے والے ہیں، قابو رکھنے والے ہیں۔ اور ایسا کنٹرول جو نہ صرف ایسی حالت میں جبکہ غصّہ آنا قدرتی بات ہے غصّہ کو دبانے والے ہیں بلکہ اس طرح جذبات میں قابو رکھتے ہیں اور اس کا امتحان اس وقت ہوگا جب غصہ دبانے کے بعد دوسروں کو معاف کرنے کی بھی حالت پیدا ہو۔ یہ بات کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ ہر قسم کے غصہ اور بدلے کے جذبات کو دل سے نکال دیا جائے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ جب غصہ بھی نہ آئے اور بدلہ لینے کے جذبات بھی دل سے نکل جائیں اور نہ صرف یہ کہ غصہ کے جذبات کو نکال دیا جائے بلکہ غلطی کرنے والے پر کچھ احسان بھی کر دیا جائے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مومن میں یہ باتیں پیدا ہوں۔ روایات میں حضرت حسنؓ کا ایک واقعہ آتا ہے کہ آپ کے ایک غلام نے کوئی غلطی کی۔ اس پر آپ کو اس پر بڑا غصہ آیا اور سزا دینا ہی چاہتے تھے کہ اس پر اس غلام نے آیت کا یہ حصہ پڑھا کہ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ۔ اور وہ جو غصہ دباتے ہیں۔ اس پر حضرت حسنؓ نے سزا دینے کے لئے جو ہاتھ اٹھایا تھا اسے نیچے گرا لیا یا ہاتھ ہی نہیں اٹھایا۔ اس پر غلام کو اور جرأت پیدا ہوئی تو اس نے کہا۔ وَ الۡعَافِیۡنَ۔ یعنی ایسے لوگ لوگوں کو معاف کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ اس پر حضرت حسنؓ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کہا کہ جاؤ مَیں نے تمہیں معاف کیا۔ اس بات پر غلام کو مزید جرأت پیدا ہوئی تو اس نے کہا کہ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس پر انہوں نے اس غلام کو کہا کہ جاؤ مَیں نے تمہیں آزاد کیا۔ جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد اول صفحہ 180-179۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس اللہ تعالیٰ کی محبت کی خواہش رکھنے والوں اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے والوں کے یہ رویّے ہوتے ہیں کہ نہ صرف قصور وار کا قصور معاف کر دیں بلکہ اس پر احسان بھی کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کے حوالے سے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

”یاد رکھو جو شخص سختی کرتا ہے اور غضب میں آجاتا ہے اس کی زبان سے معارف اور حکمت کی باتیں ہرگز نہیں نکل سکتیں۔ وہ دل حکمت کی باتوں سے محروم کیا جاتا ہے جو اپنے مقابل کے سامنے جلدی طیش میں آکر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ گندہ دہن اور بے لگام کے ہونٹ لطائف کے چشمے سے بے نصیب اور محروم کئے جاتے ہیں“۔ (جو گالیاں نکالنے والا ہے، بے لگام بولنے

والا ہے وہ پھر ایسی باتیں جو حکمت کی باتیں ہیں، جو گہری باتیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ باتیں ہیں ان سے محروم ہو جاتا ہے۔) فرمایا ''غضب اور حکمت دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ جو مغلوب الغضب ہوتا ہے۔ اس کی عقل موٹی اور فہم کند ہوتا ہے۔ اس کو کبھی کسی میدان میں غلبہ اور نصرت نہیں دیئے جاتے۔غضب نصف جنون ہے جب یہ زیادہ بھڑکتا ہے تو پورا جنون ہو سکتا ہے''۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 127-126۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ ''یاد رکھو کہ عقل اور جوش میں خطرناک دشمنی ہے''۔ (عقل مند آدمی میں بلاوجہ کا جوش پیدا نہیں ہوتا جو غصہ کا جوش ہو) فرمایا کہ ''جب جوش اور غصہ آتا ہے تو عقل قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن جو صبر کرتا ہے اور بردباری کا نمونہ دکھاتا ہے اس کو ایک نور دیا جاتا ہے جس سے اس کی عقل و فکر کی قوتوں میں ایک نئی روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر نور سے نور پیدا ہوتا ہے۔غصہ اور جوش کی حالت میں چونکہ دل و دماغ تاریک ہوتے ہیں اس لئے پھر تاریکی سے تاریکی پیدا ہوتی ہے''۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 180۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس اسلام کی تعلیم بڑی حکمت والی ہے کہ جو غلطی کر دی جائے تو فیصلہ کرتے وقت اگر انسان کسی چیز کے خلاف بھی ہو، کسی شخص کے خلاف بھی ہو، کوئی سزا ایسا معاملہ ہو تو تب بھی سوچ سمجھ کر اس کا فیصلہ کرنا چاہئے نہ کہ مغلوب الغضب ہو کر۔بعض جگہ سختی کرنی پڑتی ہے لیکن غضب میں آ کر غصہ میں آ کر سختی کرنا جائز نہیں۔ اسلام میں سزاؤں کا تصور ہے لیکن اس کے لئے اصول و قواعد ہیں۔غضب میں آ کر سزا حکمت سے دُور لے جاتی ہے، انصاف سے دور لے جاتی ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ غضب میں آ کر اگر سزا دو گے تو یہ دل کی سختی بن جائے گی اور جب دل سخت ہو جائیں تو پھر معارف اور حکمت کی باتیں منہ سے نہیں نکلتیں بلکہ عقل ماری جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ غصّہ کو دباؤ۔ دماغ کو ٹھنڈا کرو۔ پھر سزا دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کرو بشرطیکہ اس کا اختیار بھی رکھتے ہو۔ یہ نہیں کہ ہر ایک کو اٹھ کے سزا دینے کا اختیار مل گیا۔غصہ کو دبانے کے لئے صبر کا مادہ ہونا ضروری ہے۔ پس صبر کے معیاروں کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صبر کرنے والوں کی عقل و فکر کی قوتوں کو روشنی ملتی ہے۔ ان کی سوچیں بالغ ہوتی ہیں۔ ان کو روشنی ملتی ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی رہنمائی ملتی ہے۔ اگر ایک مومن کسی بھی بات کا عقل سے کوئی فیصلہ کرنے والا ہو، چاہے وہ ناپسندیدہ بات ہو تو ان کے فیصلہ میں جلد بازی نہیں ہوتی بلکہ صبر سے، سوچ سمجھ کے فیصلہ کرتے ہیں بلکہ مثبت اور منفی پہلو دیکھ کر تفصیل میں جا کر پھر فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ بھی واضح ہو جیسا کہ مَیں نے کہا کہ سزا دینے کا اختیار بھی ہر ایک کو نہیں ہے۔ یہ کہہ دیں کہ میں نے سوچا اور میری عقل سزا دینے کا کہتی ہے اس لئے سزا دیتا ہوں۔سزا دینا تو اب اس زمانے میں متعلقہ اداروں کا کام ہے۔ معاف تو انسان بے شک اپنے قصوروار کو خود کر سکتا ہے لیکن سزا دینے کے لئے بہرحال قانون کی مدد چاہئے یا متعلقہ ادارے کی مدد چاہئے۔ اس بات کو انسان اگر ہر وقت سامنے رکھے تو آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر جو لڑائیاں ہو رہی ہوتی ہیں وہ نہ ہوں۔ ایک دوسرے پر مقدمے بازی کر کے جو وقت اور رقم کا ضیاع ہو رہا ہوتا ہے وہ نہ ہو۔مقدمہ عدالت میں لے جانے پر اگر ایک عدالت کسی قصوروار کو معاف کرتی ہے تو دوسرے فریق کا غیظ و غضب مزید بھڑکتا ہے کہ اس کو معاف کیوں کر دیا یا اس کو کم سزا کیوں دی گئی۔ اور وہ اگلی عدالت میں مقدمہ لے جاتا ہے۔ اور معاملات بھی ایسے نہیں ہوتے کہ کوئی بڑے خوفناک ہوں۔ بڑے چھوٹے چھوٹے معاملات ہوتے ہیں۔ قضا میں بھی اس طرح کے معاملات آتے ہیں۔ اور بعض احمدی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے قضا سے فیصلہ نہیں کروانا۔ عدالت میں چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ کوئی ایسی بات نہیں ہوتی کہ جس پہ مقدمے بازیاں کی جائیں اور اس وجہ سے وہ اپنا نقصان بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غصہ دبانے کے بعد جو معاف کرنے کا کہا ہے تو بغیر کسی حکمت کے نہیں کہا کہ معاف کرتے چلے جاؤ۔ بلکہ معافی اور سزا کی حکمت بتا کر فیصلہ کرنے کا کہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (الشوریٰ: 41)

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا اور بدی کا بدلہ کی جانے والی بدی کے برابر ہوتا ہے۔ پس جو کوئی معاف کرے بشرطیکہ وہ اصلاح کرنے والا ہو تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

پس اصل چیز مجرم کو اس کے جرم کا احساس دلا کر اصلاح کرنا ہے نہ کہ بدلہ لینا، مقدمہ بازیوں میں پھنسانا، اپنا بھی مال ضائع کرنا اور دوسرے کا بھی مال ضائع کروانا۔ اپنا بھی وقت ضائع کرنا اور دوسرے کا وقت ضائع کروانا اور اگر جماعتی اداروں میں بات ہے تو ان پہ بدظنیاں کرنا۔ اگر معاف کرنے سے اصلاح ہو جاتی ہے تو معاف کرنا بہتر ہے۔ اگر سزا دینا اصلاح کے لئے ضروری ہے تو حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ سزا دی جائے اور پھر بیشک متعلقہ اداروں تک معاملہ لے جایا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پُر حکمت حکم کے بارے میں کئی جگہ تحریر فرمایا ہے۔ ایک جگہ آپ تریاق القلوب میں فرماتے ہیں کہ:

''قانونِ انصاف کی رو سے ہر ایک بدی کی سزا اُسی قدر بدی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے گناہگار کو معاف کرے بشرطیکہ اس معاف کرنے میں شخصِ مجرم کی اصلاح ہو، نہ یہ کہ معاف کرنے سے اور بھی زیادہ دلیر ہو اور بیباک ہو جائے تو ایسا شخص خدا تعالیٰ سے بڑا اجر پائے گا''۔یعنی معاف کرنے والا اجر پائے گا۔

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 163)

پھر براہین احمدیہ میں آپ فرماتے ہیں کہ:

''بدی کی پاداش میں اصول انصاف تو یہی ہے کہ بدکُن آدمی اسی قدر بدی کا سزاوار ہے جس قدر اس نے بدی کی ہے۔ پر جو شخص عفو کر کے کوئی اصلاح کا کام بجالائے یعنی ایسا عفو نہ ہو جس کا نتیجہ کوئی خرابی ہو سو اس کا اجر خدا پر ہے''۔

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 434-433 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

یعنی معاف کرنا اصلاح کے لئے ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے اور وضاحت اس کی یہ ہے کہ خرابی نہ پیدا ہو ایسی معافی سے۔ اگر کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا معاف کرنے والے کو جو اجر ملے گا وہ خدا تعالیٰ کے پاس ہے جتنا چاہے وہ دے دے۔

پس عفو اور معاف کرنا اس وقت ہے جب قصوروار کا رویّہ نظر آتا ہو کہ وہ آئندہ یہ غلط کام نہیں کرے گا۔ بعض عادی مجرم ہوتے ہیں اور ہر مرتبہ جرم کر کے معافی مانگتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے سزا ضروری ہوتی ہے اور سزا پھر اس طرح ہو کہ اس سے اس کی اصلاح کا پہلو نکلتا ہو۔

پھر ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ: ”بدی کا بدلہ اسی قدر بدی ہے جو کی گئی۔ لیکن جو شخص عفو کرے اور گناہ بخش دے اور اس عفو سے کوئی اصلاح پیدا ہوتی ہو، نہ کوئی خرابی تو خدا اس سے راضی ہے اور اسے اس کا بدلہ دے گا۔ پس قرآن کے رو سے نہ ہر ایک جگہ انتقام محمود ہے“ (یعنی نہ انتقام لینا ہر جگہ ضروری ہے اور تعریف کے قابل ہے) ”اور نہ ہر ایک جگہ عفو قابل تعریف ہے“۔ (نہ معاف کرنا قابل تعریف ہے۔) ”بلکہ محل شناسی کرنی چاہئے“۔ (یہ دیکھنا چاہئے کہ موقع کیسا ہے؟ فائدہ کس میں ہے؟ سزا میں یا معافی میں) ”اور چاہئے کہ انتقام اور عفو کی سیرت بپابندی محل اور مصلحت ہو۔ نہ بے قیدی کے رنگ میں۔ یہی قرآن کا مطلب ہے“۔

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 30)

یہ کوئی نہیں ہے کہ کسی اصول کے بغیر، کسی ضابطے کے بغیر سزا دی جائے یا بلاوجہ معاف کر دیا جائے۔ اس کے لئے کوئی حدود ہیں۔ ان حدود کے اندر رہنا چاہئے اور یہ چیز دیکھنی چاہئے کہ فائدہ کس میں ہے۔ پس یہ ہے اسلامی سزا اور معافی کی حکمت کہ اصلاح مدّنظر ہو۔

آجکل دنیاوی قانون میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جرم کی سزا دی جاتی ہے اور پھر جیلوں میں اس لئے رکھا جاتا ہے کہ اصلاح ہو لیکن خود یہاں کے ترقی یافتہ ملکوں کے بھی تجزیہ نگار اب لکھنے لگ گئے ہیں کہ جیلوں میں جب مجرم سزا کاٹ کے نکلتے ہیں تو جرموں میں اور بھی بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ سزا دینے والے بھی اور مجرم بھی صرف قانون کی پابندی کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ان میں نہیں ہوتا۔ بہرحال مومنوں کو عام ہدایت یہی ہے کہ ان میں قصوروں کو معاف کرنے کی عادت ہونی چاہئے اور قصور کی نوعیت اور مجرم کی حالت اور سابقہ رویّے کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے۔ نہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے ہر ایک کو معاف کرتے چلے جاؤ، نہ یہ کہ غضبناک ہو کر سزائیں دینے کی طرف ہی رجحان ہو۔ معاف کرتے چلے جانے سے بھی معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور سزا دیتے چلے جانے سے بھی رنجشیں اور کینے بڑھتے ہیں اور معاشرے میں نفرتوں کی دیواریں کھڑی ہوتی ہیں اور بدامنی پھیلتی چلی جاتی ہے۔

اگر ہم جائزہ لیں، اپنے ماحول پر نظر ڈالیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ لوگ جن کا قصور کیا گیا ہو وہ اس بات کا شدت سے اظہار اور مطالبہ کرتے ہیں کہ مجرم کو سزا دینی ضروری ہے تا کہ دوسروں کے لئے یہ سزا عبرت کا ذریعہ بنے اور کسی کو کسی قسم کی غلطیاں کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اور مجرم جس نے قصور کیا ہو وہ یہ کہتا ہے کہ معاف کرنا چاہئے۔ آجکل ہیومن رائٹس کی تنظیمیں بھی بہت سی بن گئی ہیں وہ جہاں بعض اچھے کام کر رہی ہیں وہاں معاف کروانے میں بھی بہت زیادہ افراط سے کام لیتے ہوئے ہر مجرم کو معاف کروانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اسی طرح جو مجرم دین کے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی کچھ شدھ بدھ رکھتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ معاف کرو اس لئے معاف کرنا چاہئے کیونکہ خدا خود بھی بندوں کو معاف کرتا ہے۔ اس لئے تم بھی بندوں کا حق ادا کرتے ہوئے معاف کرو۔ انفرادی طور پر بھی ہر ایک اپنے قصوروار کو معاف کرے اور جماعتی طور پر بھی ہر ایک کو معاف کیا جائے قطع نظر اس کے کہ اس سے جماعت کو فائدہ ہو رہا ہے یا نقصان تا کہ بندوں کے حق ادا ہوں۔ دونوں طرف سے یہ باتیں کرنے والے جو بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہیں یا تو عادی مجرم ہوتے ہیں یا انصاف سے ہٹ کر اپنے حق میں فیصلہ کروانا چاہتے ہیں۔ ایک تو جرم کرتے ہیں پھر جرم کی سزا سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کا ناجائز حوالہ دیتے ہیں یہ لوگ خود غرض ہوتے ہیں۔ اگر ان کا کوئی قصور کرے تو کبھی معاف نہیں کرتے بلکہ بڑھ بڑھ کر مجرم کو سزا دلوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا ان کا اصول یہاں بدل جاتا ہے۔ اس وقت اس حکم کو بھول جاتے ہیں کہ دوسرے کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

اسی طرح جو معاف نہیں کرنا چاہتے اور چاہتے ہیں کہ ضرور میرے قصوروار کو سزا ملے وہ بھی اگر اپنا معاملہ ہو تو معافیاں مانگ کر کہیں گے کہ معاف کرنا اچھا ہے۔ اسلام ایسے خودغرضوں کی باتوں کو ردّ کرتا ہے اور انتہائی انصاف پر مبنی فیصلہ دیتا ہے کہ اگر یہ یقین ہے کہ معاف کرنے سے اصلاح ہو گی تو بہتر ہے کہ معاف کر دو۔ اگر یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ سزا کے بغیر گزارہ نہیں تو سزا ضروری ہے۔ بہرحال یہ تو اسلام کی ایک اصولی تعلیم ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کس حد تک معاف فرمایا کرتے تھے اور آپ نے صحابہ کو اس بارے میں کیا نصائح فرمائی ہیں۔ حضرت امام حسنؓ کی مثال میں نے دی تھی کہ انہوں نے اپنے ملازم کی ایک غلطی پر معاف کر دیا لیکن وہ ایک چھوٹی سی غلطی تھی۔ معاف کرنے کی معراج تو ہمیں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں نظر آتی ہے کہ جن لوگوں کی سزا کے فیصلہ بھی ہو گئے تھے لیکن آپ ﷺ نے انہیں بھی معاف فرما دیا۔ کسی دوسرے کے قصوروار کو معاف نہیں کیا بلکہ اپنے قصورواروں کو، اپنی اولاد کے قاتلوں کو معاف کر دیا کیونکہ ان کی اصلاح ہو گئی تھی۔

روایات میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک شخص ھبار بن اسود نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ پر مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت نیزے سے قاتلانہ حملہ کیا۔ آپ اس وقت حاملہ تھیں۔ حملہ کی وجہ سے آپ کا حمل بھی ضائع ہو گیا۔ زخمی بھی ہوئیں، چوٹ لگی اور اس چوٹ کی وجہ سے آپ کی وفات بھی ہو گئی۔ اس

جرم کی وجہ سے ھبار کے لئے قتل کی سزا کا فیصلہ ہوا۔ فتح مکہ کے موقع پر یہ شخص بھاگ کر کہیں چلا گیا مگر بعد میں جب نبی کریم ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو ھبار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔ پہلے میں آپ سے ڈر کر فرار ہو گیا تھا لیکن مجھے آپ کا عفو اور رحم واپس لے آیا ہے۔ اے خدا کے نبیؐ! ہم جاہل تھے، مشرک تھے، خدا نے ہمیں آپؐ کے ذریعہ ہدایت دی اور ہلاکت سے بچایا۔ مَیں اپنی زیادتیوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ پس میری جہالت سے صَرف نظر فرماتے ہوئے مجھے معاف فرمائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے اس قاتل کو معاف فرما دیا اور فرمایا کہ جا اے ھبار! میں نے تجھے معاف کیا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے تمہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پس جب آپ نے دیکھا کہ اصلاح ہو گئی ہے تو اپنی بیٹی کے قاتل کو بھی معاف فرما دیا۔

(تاریخ الخمیس جلد دوم باب ذکر الرجال الاحد عشر الذین اھدر دمھم یوم فتح مکۃ صفحہ 93 مطبوعہ موسسۃ شعبان بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اوپر ہونے والی کسی زیادتی کا کبھی انتقام نہیں لیا۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب مباعدتہ ﷺ لآثام... الخ حدیث 5944)

تبھی تو آپ نے کھانے میں زہر ملا کر کھانا کھلانے والی یہودیہ کو بھی معاف فرما دیا تھا حالانکہ بعض صحابہ کو زہر کا اثر بھی ہو گیا تھا۔ (سیرت ابن ہشام باب بقیۃ امر خیبر صفحہ 627-626 مطبوعہ المکتبۃ العصریۃ بیروت)

پھر ہند جس نے جنگ اُحد میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کا مُثلہ کیا تھا۔ ان کے جسم کے اعضاء کاٹے تھے۔ کان ناک وغیرہ کاٹے تھے اور کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر عورتوں کے ساتھ مل کر اس نے بیعت کر لی۔ اس کے بعض سوالوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اسے پہچان لیا اور پوچھا کہ کیا تم ابوسفیان کی بیوی ہند ہو؟۔ اس نے کہا ہاں یارسول اللہ! اب تو میں دل سے مسلمان ہو چکی ہوں۔ جو پہلے ہو چکا اس سے درگذر فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے ہند کو معاف فرما دیا۔ ہند پر آپ کے عفو کا ایسا اثر ہوا کہ اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔ بہت مخلص ہو گئی۔ بلکہ اسی دن شام کو اس نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی اور دو بکرے بھون کر کھانے کے لئے بھجوائے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ آجکل جانور کم ہیں اس لئے حقیر سا تحفہ پیش ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ ہند کے ریوڑوں میں بہت برکت ڈال۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اس دعا کے نتیجہ میں ایسی برکت پڑی کہ اس کے ریوڑ سنبھالے نہیں جاتے تھے۔ (سیرت الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 137 تا 139 باب فتح مکۃ شرفھا اللہ تعالیٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء)

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کو ہر ایک جانتا ہے۔ اس کی تمام تر گستاخیوں کے باوجود اس کو معاف فرمایا اور اس کا جنازہ بھی پڑھا دیا۔ باوجود اس کے کہ حضرت عمرؓ بار بار عرض کرتے تھے کہ اس کا جنازہ نہ پڑھائیں۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما یکرہ من الصلاۃ علی المنافقین... الخ حدیث 1366)

کعب بن زہیر ایک مشہور شاعر تھا بعض باتوں کی وجہ سے اس کے لئے بھی سزا کا حکم ہو چکا تھا۔ فتح مکہ کے بعد ان کے بھائی نے اسے لکھا کہ اب آ کر رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگ لو۔ چنانچہ وہ مدینہ آ کر اپنے ایک جاننے والے کے پاس ٹھہر گئے اور فجر کی نماز مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے ادا کی۔ نماز کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کعب بن زہیر تائب ہو کر آیا ہے اور معافی کا خواستگار ہے۔ آپ ﷺ اسے شکل سے پہچانتے نہیں تھے۔ اس لئے اس نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو اسے پیش کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں آ جائے سامنے۔ اس پر اس نے کہا کہ یارسول اللہ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ اس پر ایک انصاری اسے قتل کرنے کے لئے اٹھے کیونکہ اس کے متعلق حدّ لگنے کی وجہ سے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ معافی کا خواستگار ہو کر آیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اس کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا جس پر آپ نے خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے اپنی چادر بھی اسے اوڑھا دی۔ (تاریخ الخمیس جلد دوم باب اسلام کعب بن زہیر صفحہ 121 مطبوعہ موسسۃ شعبان بیروت)

پس یہ تھا آپ کی معافی کا معیار کہ نہ صرف معاف فرماتے تھے بلکہ انعام دے کر، دعائیں دے کر رخصت فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے عفو کی بے شمار مثالیں ہیں۔ ایسے معراج پر پہنچا ہوا عفو ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''خدا کے مقربوں کو بڑی بڑی گالیاں دی گئیں۔ بہت بری طرح ستایا گیا۔ مگر ان کو اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ کا ہی خطاب ہوا۔ خود اس انسان کامل ہمارے نبی ﷺ کو بہت بری طرح تکلیفیں دی گئیں۔ اور گالیاں، بدزبانی اور شوخیاں کی گئیں۔ مگر اس خُلقِ مجسم ذات نے اس کے مقابلے میں کیا کیا۔ ان کے لئے دعا کی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کرے گا تو تیری عزت اور جان کو ہم صحیح وسلامت رکھیں گے اور یہ بازاری آدمی اُس پر حملہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضور کے مخالف آپ کی عزّت پر حرف نہ لا سکے اور خود ہی ذلیل وخوار ہو کر آپ کے قدموں پر گرے یا سامنے تباہ ہوئے''۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 103)

آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو عفو اور درگزر کے کن معیاروں کو حاصل کرنے کی نصیحت فرمائی۔ اس بارے میں روایات میں بہت سے واقعات ملتے ہیں ایک آدھ مَیں پیش کرتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا ایک غلام ہے جو غلط کام کرتا ہے کیا میں اسے بدنی سزا دے سکتا ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم اس سے ہر روز ستّر مرتبہ درگزر کر لیا کرو۔ (مجمع الزوائد جلد 4 صفحہ 309 کتاب العتق حدیث 7231 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت) یعنی بہت زیادہ درگذر کیا کرو۔ پس ملازموں اور

باقی صفحہ 26 پر

ہجری شمسی کیلنڈر کا مہینہ

صلح

مکرم مولانا محمد رئیس طاہر صاحب۔ مربی سلسلہ ربوہ

آنحضرت ﷺ نے ایک رؤیا میں مسلمانوں کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ اس رؤیا کی ظاہری تعبیر کے لئے حضرت محمد مصطفی ﷺ 628ء (ذوالقعدہ 6 ھجری) میں 1400 مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ عرب کے رواج کے مطابق غیر مسلح افراد چاہے وہ دشمن کیوں نہ ہوں کعبہ کی زیارت کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان غیر مسلح تھے۔ مگر عرب کے رواج کے خلاف مشرکینِ مکہ نے خالد بن ولید کی قیادت میں دو سو مسلح سواروں کے ساتھ مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر مکہ کے باہر ہی روک لیا۔ حدیبیہ نامی قریہ مکہ سے ایک منزل یعنی تقریباً 24 کلومیٹر کے فاصلے پر اور مدینہ سے 9 منزلوں کے فاصلے پر واقع ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا۔ ان کے واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو اس خدشہ کی بناء پر کہ کہیں حضرت عثمانؓ کو شہید نہ کر دیا گیا ہو، آپ ﷺ نے صحابہ سے آپ کے خون کا بدلہ لینے پر بیعت لی جو بیعت رضوان یا بیعت شجرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیعت کی خبر مکہ والوں کو ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو جنگ کے لئے تیار پایا تو صلح پر آمادہ ہوگئے۔ رسول پاک ﷺ نے بھی اپنی امن پسندی اور صلح جُو فطرت کے مطابق مکہ والوں کی شرائط کو قبول فرما لیا۔ اس طرح سے مسلمانوں اور قریش مکہ کے مابین صلح کا معاہدہ ہو گیا جس کا متن یہ تھا:

’’ابتدا اللہ کے نام سے۔ امن کی یہ شرائط محمد بن عبد اللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو سفیر مکہ کے درمیان طے ہوئیں۔ دس سال تک کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ کوئی بھی (حضرت) محمد (ﷺ) کا ساتھ دینا چاہے یا ان سے معاہدہ کرنا چاہے تو اس امر میں آزاد ہے۔ اسی طرح کوئی بھی قریش (مشرکین مکہ) کا ساتھ دینا چاہے یا ان سے معاہدہ کرنا چاہے تو اس امر میں آزاد ہے۔ کوئی بھی جوان آدمی یا ایسا شخص جس کا باپ زندہ ہو (حضرت) محمد (ﷺ) کی طرف اپنے والد یا سرپرست کی اجازت کے بغیر جائے تو اسے اپنے والد یا سرپرست کو واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی بھی قریش کی طرف جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ اس سال (حضرت) محمد (ﷺ) مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ مگر اگلے سال وہ اور ان کے ساتھی مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں، تین دن گزار سکتے ہیں اور طواف کر سکتے ہیں۔ ان تین دنوں میں قریش مکہ ارد گرد کی پہاڑیوں سے ہٹ جائیں گے۔ جب (حضرت) محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی مکہ میں داخل ہوں گے تو غیر مسلح ہوں گے سوائے ان سادہ تلواروں کے جو عرب ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں‘‘۔

اگرچہ اس معاہدہ کی شرائط سے واضح طور پر نظر آتا تھا کہ کفار نے ناجائز طور پر اپنی باتیں منوائی ہیں جنہیں طاقت میں ہونے کے باوجود آنحضور ﷺ نے قبول کر لیا ہے تاہم خدا نے اسے فتح مبین قرار دیا اور یہ معاہدہ صلح اسلام اور امت کے لئے عظیم برکات کا سبب بنا۔ مثلاً قریش نے اسلامی حکومت اور اس کی قوت کو تسلیم کیا، قریش نے مسلمانوں کے حقِ عمرہ کو تسلیم کیا، مسلمان اپنے سب سے بڑے دشمن کے شر سے محفوظ ہوئے، دوسرے قبائل کے ساتھ مسلمانوں کے معاہدات کا راستہ ہموار ہوا جو قبل ازیں قریش کے خوف سے مسلمانوں کے قریب آنے سے کتراتے تھے، حبشہ ہجرت کر کے جانے والے مسلمان محفوظ ہوئے چنانچہ اس معاہدے کے بعد وہ مدینہ چلے آئے اور امن کی وجہ سے مسلمانوں کو تبلیغ کے کھلے مواقع میسر آئے اور اسلام تیزی سے عرب میں پھیلنے لگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صلح حدیبیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

’’آنحضرت ﷺ نے جب صلح حدیبیہ کی ہے تو صلح حدیبیہ کے مبارک ثمرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں کو آپؐ کے پاس آنے کا موقع ملا۔ اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی باتیں سنیں تو ان میں صدہا مسلمان ہوگئے جب تک انہوں نے آپ ﷺ کی باتیں نہ سنی تھیں ان میں اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی جو آپؐ کے حسن و جمال پر ان کو اطلاع نہ پانے دیتی تھی اور جیسا دوسرے لوگ کذاب کہتے تھے (معاذ اللہ) وہ بھی کہہ دیتے تھے اور ان فیوض و برکات سے بے نصیب تھے جو آپؐ لے کر آئے تھے اس لئے کہ دور تھے لیکن جب وہ حجاب اٹھ گیا اور پاس آ کر دیکھا اور سنا تو وہ محرومی نہ رہی اور سعیدوں کے گروہ میں داخل ہو گئے‘‘۔ (ملفوظات جلد 3 صفحہ 447)

حضور علیہ السلام مزید فرماتے ہیں۔

’’صلح سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کفار سے صلح کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جنگ موقوف ہوئی تو مسلمانوں کے ساتھ کفار کا میل جول ہو گیا اور انہیں اسلام کی صداقتوں پر نظر کرنے کا موقع مل گیا۔ پھر ان میں سے کئی سعید روحیں اسلام کے لئے تیار ہوگئیں‘‘۔ (ملفوظات جلد 5 صفحہ 405)

ان اثرات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام ایک امن پسند اور صلح جو معاشرے کے قیام کے عظیم مقاصد رکھتا ہے۔ یہ عظیم الشان واقعہ شمسی تقویم کے مطابق ماہ جنوری میں ہوا تھا لہٰذا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ماہ جنوری کا نام ہجری شمسی تقویم میں صلح رکھا۔

”شانِ حقّ تیرے شمائل میں نظر آتی ہے“

صلح حدیبیہ کے واقعات کا دلکش تذکرہ

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک ولولہ انگیز، ایمان افروز اور روح پرور خطاب برموقع جلسہ سالانہ ربوہ 1981ء

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ (الفتح 4-2)

ترجمہ: ہم نے تم کو ایک کھلی کھلی فتح بخشی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تیرے متعلق کئے گئے وہ گناہ بھی جو پہلے گزر چکے ہیں ڈھانک دے گا اور جو اب تک ہوئے نہیں (لیکن آئندہ ہونے کا امکان ہے) ان کو بھی ڈھانک دے گا اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا اور تجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔ اور اللہ تیری شاندار مدد کرے گا۔

آج سے 1355 سال قبل حدیبیہ کے مقام پر جو ماجرا گزرا عموماً مؤرخین اسے صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن میں اس کا ذکر فتح حدیبیہ کے عنوان کے تحت کروں گا کیونکہ اس واقعہ کو خدا تعالیٰ نے اسی نام سے موسوم فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ فتح کی آیات میں جن کی میں نے تلاوت کی ہے حدیبیہ کی وادی میں ہونے والے اس عظیم الشان واقعہ کو فتح مبین کا نام دیا گیا۔ آج کی تقریر بھی جو غزوات نبوی اور آنحضرت ﷺ کے خلق عظیم کے عنوان کے تحت کی جارہی ہے سلسلہ وار مضمون کی ایک کڑی ہے جو گذشتہ چار سال سے جاری ہے۔ آج میں فتح حدیبیہ کے تاریخ ساز لمحات کے دوران آنحضور ﷺ کے خلق عظیم اور بے مثل قائدانہ صلاحیتوں سے متعلق کچھ گفتگو کروں گا۔

فتح مکہ تاریخ اسلام میں ایک عظیم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری یقیناً اس امر سے اتفاق کرے گا کہ فتح مکہ دراصل فتح حدیبیہ ہی کا ایک ذیلی عنوان ہے اور اسی کے طبعی نتیجہ کے طور پر رونما ہونے والا ایک واقعہ ہے کیونکہ دراصل حدیبیہ کے میدان ہی میں مسیں فتح مکہ کی قطعی داغ بیل رکھ دی گئی تھی۔

ہر چند کہ مضمون کا تعلق تاریخی نقطۂ نگاہ سے اس غزوہ کی تفاصیل بیان کرنا نہیں بلکہ محض اس دوران ظاہر ہونے والے خلق محمد ﷺ کے دل نواز جلووں پر گفتگو کرنا ہے مگر بات کو سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ کسی حد تک وہ پس منظر بھی پیش کیا جائے جس کے جلو میں نورِ مصطفویؐ ایک منفرد شان کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔

پس منظر

یہ سن چھ ہجری کا واقعہ ہے غزوہ احد کو تین سال گزر چکے تھے۔عرب کی فضا بظاہر خاموش اور پرسکون تھی لیکن اسلام کے خلاف فتنے اندر ہی اندر پنپ رہے تھے اور کسی بھی وقت شمال اور جنوب کی سمتوں سے سر اُٹھانے کو تیار تھے۔شمال کی جانب سے سب سے بڑا خطرہ خیبر اور اس کے ماحول میں بسنے والے یہود کی طرف سے تھا جو مشرکین عرب کے ساتھ اپنی سازباز میں ناکامی کے بعد اب قسطنطنیہ کی عظیم عیسائی سلطنت کی طرف پُر اُمید نظروں سے دیکھ رہے تھے اور اندر ہی اندر سازش کی ایک ہولناک کھچڑی پک رہی تھی۔ پس کسی بھی وقت سلطنت روما کی عظیم طاقت کی پشت پناہی کے ساتھ قبائل یہود مدینہ کے شمال کی جانب سے مسلمانوں کے لئے ایک مہیب خطرہ بن سکتے تھے۔

جنوب کی طرف سے آنے والا خطرہ قریش مکہ کی سرپرستی میں پرورش پارہا تھا جو بعض جنگجو مشرک قبائل عرب میں ایک دفعہ پھر اپنا رسوخ بڑھا کر ان کو اسلام کے خلاف ایک فیصلہ کن جارحانہ کارروائی کے لئے تیار کر رہے تھے چنانچہ بنو بکر کے علاوہ انہوں نے عرب کے مشہور تیرانداز اور بے جگری سے لڑنے والے احابیش کے ساتھ بھی دوستی کی پینگیں بڑھانی شروع کر رکھی تھیں۔

اہل مدینہ ان دبے ہوئے طوفانوں کے وجود سے بے خبر اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف پُرسکون زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ان میں ایک شب بیدار صاحب بصیرت وجود ایسا بھی تھا جو اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا تھا اور کوئی ظاہری حجاب اس کی دوررَس باریک بین نگاہ کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا تھا۔ آپؐ ان دونوں خطرات سے خوب باخبر تھے لیکن آپ ﷺ کا دستور زندگی یہ تھا کہ وحی الٰہی کی ہدایت کے بغیر نہ تو کوئی فیصلہ فرماتے نہ کوئی اقدام کرتے۔ پس گو نورِ بصیرت ہر لحہ بھڑک اٹھنے کے لئے تیار تھا لیکن نوراللہ کے اس جلوے کا منتظر تھا جو آپؐ کے ہر فیصلہ اور ہر اقدام کو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ بنا دیا کرتا تھا۔

یہ انہی دنوں کی بات ہے کہ خیرالماکرین یا عالم الغیب خدا کا فیصلہ ایک رات عجیب رنگ میں ظاہر ہوا اور مسلمانان مدینہ کو اس فیصلہ نے حیران کر دیا۔ رؤیا کی صورت میں وحی الٰہی نازل ہوئی اور آنحضور ﷺ کو یہ خوشخبری عطا کی گئی کہ مسلمان سرمنڈاتے اور بال کتراتے ہوئے مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ پس اس وحی سے یہ استنباط کرتے ہوئے کہ حج بیت اللہ کی جو خوشخبری دی گئی ہے وہ اسی سال پوری ہوگی آپ نے اہلِ اسلام میں یہ منادی فرما دی کہ حج بیت اللہ اور عمرہ کی تیاری کریں اور اچانک اس اعلان کے ساتھ مدینہ کی فضا گہما گہمی سے گونج اُٹھی اور ہر طرف ذوق وشوق کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کی تیاری ہونے لگی۔(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ 52-51)

جلد ہی خدا کے درویشوں کا یہ قافلہ اللہ کی محبت میں سرشار سرتاج عشاق ﷺ کی قیادت میں مکہ کی جانب روانہ ہوا۔تلواروں کے سوا جو عربوں کے لباس کا حصہ تھیں کوئی سامان جنگ ساتھ نہ تھا کسی مقابلہ کا وہم وگمان بھی کسی دل میں نہ گزرا تھا۔ ہاں زادِ راہ اور قربانی کے لئے ستر اونٹ ساتھ تھے۔ یہ قافلہ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ مکہ کی طرف جارہا تھا۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر جو مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے آنحضور ﷺ اور آپؐ کے غلاموں نے قدیم دستور کے مطابق احرام باندھا اور اونٹوں کے پہلو قربانی کی علامت کے طور پر داغ دیئے اور لبیک اللّٰھم لبیک کا عاشقانہ ورد کرتے ہوئے ایک بار پھر بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔

پہلا دھکا

پہلا شدید دھکا ان کی اُمیدوں کو اس وقت لگا جب مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر عسفان کے مقام پر ان کو معلوم ہوا کہ قریش مکہ ہر قیمت پر انہیں حج اور عمرہ سے روکنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اس غرض سے خالد بن ولید اور عکرمہ کی قیادت میں ایک دستہ مسلمانوں کے پڑاؤ کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے جس میں دوسو فن حرب میں طاق گھوڑسوار نوجوان بھی شامل ہیں۔ وہ ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس یہ عزم کر کے گھروں سے نکلے ہیں کہ خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے لیکن مسلمانوں کو مکہ کی سمت آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔

یہ خبر جہاں مسلمانوں کی غیرت ایمانی کے لئے ایک تازیانہ کا کام کرگئی اور وہ جان پر کھیل کر بھی اپنے مقصد کو حاصل کرنے پر آمادہ ہوگئے وہاں اس خبر نے آنحضور ﷺ کے قلب صافی پر ایک بالکل مختلف اثر دکھایا۔ آپؐ نے پیش آمدہ حالات کا بڑی طمانیت کے ساتھ جائزہ لے کر ایک فیصلہ کیا جو صحابہؓ کے فیصلہ سے بالکل مختلف تھا اور اہل قافلہ سے یہ سوال کیا کہ کیا کوئی ہے جو مجھے ایسے راستہ سے مکہ پہنچا دے جو کشت وخون کی راہ سے نہ گزرے اور حریف سے لڑے بغیر ہم منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں؟ حاضرین مجلس میں سے ایک نے حامی بھری اور اپنے کمال فن کا اس طرح مظاہرہ کیا کہ ساحلی راستہ سے مغرب کی طرف گریز کرتے ہوئے صحرائی ٹیلوں اور گھاٹیوں کے بیچ سے راہ بتاتا ہوا مسلمانوں کے قافلہ کو مدّمقابل کی آنکھ سے صاف بچا کر لے گیا اور جب تک یہ قافلہ مکہ کے جنوب میں حدیبیہ کی وادی تک نہ پہنچ گیا خالد بن ولید اور عکرمہ کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ:58-54) قدوسیوں کے اس قافلہ کو پڑاؤ کی تیاریوں میں مصروف چھوڑتے ہوئے ہم ذرا ایک لحہ توقف کر کے اطمینان سے آنحضور ﷺ کے اس فیصلہ پر غور کرتے ہیں کہ کیوں آپؐ نے صحابہؓ کے جوش وخروش کو نظرانداز کرتے ہوئے حملہ آور دشمن سے مقابلہ کرنے کی بجائے انحراف کا طریق اختیار فرمایا۔

بات یہ تھی کہ آنحضور ﷺ جو فلسفہ شریعت کے رازدان تھے خوب جانتے تھے کہ حج بیت اللہ اور جنگ وجدال دو متضاد چیزیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ پس چونکہ یہ سفر قتال کی نیت سے نہیں بلکہ خالصۃً حج بیت اللہ کے قصد سے اختیار کیا گیا تھا اس لئے لڑائی کے ساتھ ہی یہ مقصد فوت ہو جاتا اور یہ سارا سفر بے کار جاتا۔ پس دشمن سے پہلو بچا کر گزر جانا کوئی

جنگی چال نہ تھی بلکہ مقصد اعلیٰ کی حفاظت کے لئے ایک نہایت حکیمانہ فیصلہ تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکہ کے اتنا قریب پہنچ کر آپؐ حدیبیہ کے مقام پر کیوں ٹھہر گئے اور رُکے بغیر کیوں نہ مکہ میں داخل ہوگئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ آپؐ کا اپنا نہیں تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی تقدیر نے انگلی اٹھا کر آپؐ کو وہاں قیام پر مجبور کر دیا۔ ہوا یوں کہ حدیبیہ پہنچ کر آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی اور کسی طرح اٹھنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ:60) قافلہ میں شامل بعض اصحاب نے اسے شگون سمجھا مگر آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! اس اونٹنی کو اُسی خدا نے بٹھایا ہے جس نے اصحاب فیل کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ اس جزوی مماثلت کے بیان سے صحابہؓ پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ تمہیں خونریزی سے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی لیکن بلاشبہ اپنے رب کی زبان کو جس طرح آنحضور ﷺ سمجھتے تھے اور کون سمجھنے کی مقدرت رکھتا تھا۔ پس آپؐ کا اس وادی میں قیام کا فیصلہ فرمانا تقدیر الٰہی کے تابع ایک فعل تھا۔ اس قافلے میں چونکہ غیر مسلم عرب قبائل کے بعض نمائندگان بھی شریک تھے اس لئے ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی کے دل میں شبہ گزرتا کہ آنحضور ﷺ کا یہ فیصلہ تقدیر الٰہی کے نتیجہ میں نہیں بلکہ محض ایک اتفاقی حادثہ یا شگون ہے۔ پس بہت جلد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے کی تائید میں ایک ایسا چمکتا ہوا نشان ظاہر ہوا جو توہمات کے اندھیروں کو روشنی میں بدلنے والا تھا۔ ہوا یوں کہ حدیبیہ کا کنواں جس کی طرف وہ میدان منسوب ہوتا ہے وہاں پانی کے حصول کا واحد ذریعہ تھا لیکن اس میں پانی اتنا تھوڑا تھا کہ چند آدمیوں کی ضرورت کا کفیل بھی نہ ہوسکا اور کنواں سوکھ گیا۔ اس پر صحابہؓ پریشان ہوئے کہ پانی کے بغیر زندہ کیسے رہیں گے؟ آنحضور ﷺ سے جب اس پریشانی کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے دعا کے ساتھ اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر دیا کہ اس کنوئیں کی تہہ میں اسے گاڑ دو۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل کی گئی اور مسرت بھری حیرت سے سب نے یہ ماجرا دیکھا کہ جہاں تیر گاڑا گیا وہیں سے پانی کا بھرپور چشمہ اُبل پڑا جو اہلِ قافلہ کی تمام ضروریات کا کفیل ہوگیا۔
(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ:60)

گفت وشنید

حدیبیہ میں پڑاؤ چند روز جاری رہا۔ اس دوران قریش مکہ کے ساتھ گفت وشنید ہوتی رہی جس کا آغاز اہل مکہ کی طرف سے ہی ہوا۔ انہوں نے تین قاصد بنام بُدیل بن ورقاء، مِکرز بن حفص اور جلیس کو یکے بعد دیگرے اس غرض سے بھیجا کہ مسلمانوں کی قوت اور آنے کے اصل مقصد کا جائزہ لے کر کفار مکہ کو رپورٹ کریں۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ:64-62) دوسرے اگر بس چلے تو ڈرا دھمکا کر اس قدر مرعوب کر دیں کہ وہ مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کر کے از خود ہی اُلٹے پاؤں واپس لوٹ جائیں۔ آنحضور ﷺ کی بے مثل فراست کا یہ کرشمہ تھا کہ ہر آنے والے کے مزاج کے مطابق طرزِ عمل اختیار فرماتے اور بجائے اس کے کہ وہ آنحضور ﷺ کو واپس لوٹ جانے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوتے خود ہی آنحضور ﷺ کے نہایت حکیمانہ طرزِ عمل سے متاثر ہو کر یہ یقین لئے ہوئے واپس لوٹتے کہ آپؐ کے ساتھ قریش مکہ زیادتی کر رہے ہیں اور آپؐ کو بیت اللہ کے طواف سے روکنا نہ تو قرین مصلحت ہے نہ قرین انصاف۔ قریش ان قاصدوں کا جواب سن کر سیخ پا ہوجاتے، انہیں برا بھلا کہتے، ان پر آوازے کستے اور یہ عجیب قصہ ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ کیوں ان کے سب سفیر اس حال میں واپس لوٹتے ہیں کہ ان کی بجائے محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کے وکیل بن چکے ہوتے ہیں اور اُلٹا قریش مکہ کو سمجھانے لگتے ہیں۔

قریش کا تیسرا قاصد جُلَیس جو عرب کے ان مشہور تیرانداز قبیلوں کا سردار تھا جو احابیش کہلاتے تھے، جب حدیبیہ کے قریب پہنچا تو آنحضور ﷺ نے اس کے مزاج کو سمجھتے ہوئے صحابہؓ کو ہدایت فرمائی کہ فوری طور پر قربانی کے اونٹوں کو ہانک کر اس کے سامنے کر دو تا کہ ہم تک پہنچنے سے پہلے وہ ان اونٹوں کو دیکھ لے۔ آنحضور ﷺ کا یہ اقدام ایسا مؤثر ثابت ہوا کہ بخاری کی روایت کے مطابق اس نے صحابہؓ کی قربانیوں کو دیکھا اور صحابہؓ کو لبیک کرتے سنا تو اس نے بے اختیار ہو کر کہا سبحان اللہ یہ تو ایسے چہرے ہی نہیں جنہیں خدا کے گھر سے روکا جائے چنانچہ وہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے بغیر ہی لوٹ گیا اور واپس جا کر قریش پر سخت اظہار افسوس کیا کہ حج کعبہ سے تم ان لوگوں کو روکتے ہو جو ہرگز لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ کثیر تعداد میں قربانی کے لئے اونٹ لے کر آرہے ہیں۔ یہ بات سن کر حسب سابق قریش نے اس پر بھی آوازے کسنے شروع کر دیے اور یہاں تک کہا کہ اجڈ آدمی تم ان باتوں کو کیا سمجھو آخر تم بدو ہی نکلے۔ اس سلوک سے جلیس بھی سخت مشتعل ہوگیا اور اس نے کہا میں نے تم سے ہرگز کوئی ایسا معاہدہ نہیں کیا کہ محمد (ﷺ) کو حج کعبہ کرنے سے روکنے میں تمہاری مدد کروں گا پس میرا تم سے کوئی تعلق نہیں اور میں اپنے تمام قبائل کو لے کر اس معاملہ سے الگ ہوتا ہوں۔ قریش نے اس دھمکی پر پشیمان ہو کر اسے تو منت سماجت سے بہلا پھسلا کر ٹھنڈا کیا اور اپنی طرف سے سفارت کا حق ادا کرنے کے لئے بہتر آدمی کی تلاش کرنے لگے۔ چنانچہ ان کی نظر انتخاب عروہ بن مسعود پر پڑی۔ پہلے تو عروہ گزشتہ سفیروں کے ساتھ قریش کی بدسلوکی کا حال دیکھ کر سفارت پر آمادہ نہ ہوا لیکن جب قریش نے اسے یقین دلایا کہ وہ ہرگز اس سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں کریں گے تو وہ بالآخر مان گیا۔

عروہ نے اپنی دانست میں قریش کی سفارت کا خوب حق ادا کیا لیکن سب سفیروں سے زیادہ احمقانہ بات اس کو سوجھی۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کو خائف کرنے کے لئے بڑے ہمدردانہ رنگ میں یہ سمجھانے لگا کہ قریش لاکھ دشمن ہو چکے ہوں آخر آپؐ ہی کا خون ہیں۔ مختلف انواع کے لوگ جو آج آپؐ کے گرد اکٹھے ہیں کل کلاں جب آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے تو بالآخر آپؐ کو قریش ہی کی طرف

لوٹنا پڑے گا اس لئے قریش کی بات ماننے میں آپؐ ہی کی بھلائی ہے۔ یہ احمقانہ بات عروہ کے منہ سے سن کر صحابہؓ کے تن بدن میں آگ لگ گئی لیکن ان کے دل کی ترجمانی کسی قدر تحمل کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ نے کی اور اسے بتایا کہ یہ وہم دل سے نکال ڈالو کہ محمد ﷺ کے غلام محمد مصطفیٰ ﷺ کو کبھی کسی حال میں بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس حوصلہ شکن جواب کے علاوہ عروہ کی آنکھوں نے کچھ اور نظارے بھی دیکھے جنہوں نے اس کے خیالات کو یکسر بدل دیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد3 نصف اوّل صفحہ:64-62)

تعجب خیز نظارے

عربوں کی عادت کے مطابق وہ دوران گفتگو بار بار اپنا ہاتھ آنحضور ﷺ کی ریش مبارک کی طرف بڑھاتا تھا لیکن ہر مرتبہ اس کی اس حرکت پر پاس کھڑے ہوئے مغیرہ بن شعبہؓ اس کے بازو کو جھٹک دیتے تھے۔ مغیرہؓ کی طرف سے یہ سلوک اس کے لئے خاص طور پر تعجب کا موجب بنا کیونکہ مغیرہ کے اسلام لانے سے قبل عروہ نے ان پر اتنا بڑا احسان کیا ہوا تھا کہ ان کے دس مقتولوں کا خون بہا خود اپنی جیب سے ادا کر کے ان کی جان بچائی تھی۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد3 نصف اوّل صفحہ:67)

اس کے علاوہ عروہ نے بڑے تعجب سے یہ عجیب نظارہ بھی دیکھا کہ آنحضور ﷺ جب کلی بھی فرماتے تو صحابہؓ اسے زمین پر گرنے نہ دیتے اور والہانہ آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں میں لے لیتے پھر اس تبرک کو چہرے اور سینے مل کر دل ٹھنڈا کرتے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد3 نصف اوّل ص:70)

پس دوران گفتگو بظاہر تو وہ سخت گیر رہا لیکن اندر ہی اندر آنحضور ﷺ کی عظیم شخصیت سے بے حد متاثر ہو چکا تھا اور سمجھ چکا تھا کہ باہم دگر برسر پیکار رہنے والے مختلف قبائل عرب کا اس طرح ایک قالب اور ایک جان ہو کر ایک انسان پر پروانوں کی طرح جان نچھاور کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ چنانچہ اس نے قریش سے وہی بات کہی جو پہلے قاصد کہہ چکے تھے اور مزید اس پر ان تاریخی کلمات کا اضافہ کیا کہ

”اے معشر قریش! مجھے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے درباروں میں بھی باریابی کا شرف حاصل ہو چکا ہے لیکن بخدا میں نے کبھی کسی فرمانروا کو اس کی قوم میں ایسا محترم اور معزز نہیں پایا جتنا محمد ﷺ کو اپنی قوم میں۔ پس تم جو چاہو فیصلہ کرو لیکن یہ وہم دل سے نکال ڈالو کہ اس کے ساتھی کسی وقت بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے“۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد3 نصف اوّل صفحہ:70)

پہلا سفیر

مشرکین مکہ کی طرف سے پے در پے چار قاصدوں کے آنے کے بعد آنحضور ﷺ نے اپنا قاصد مکہ بھجوانے کا فیصلہ فرمایا اور اس غرض سے ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق خراش بن امیر خزاعیؓ کو اپنے ثعلب نامی اونٹ پر سوار کر کے قریش کی طرف روانہ فرمایا۔

اس واقعہ کی توضیح کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے یہ قدم اس لئے اٹھایا کہ غالباً آپ ﷺ کو یہ شک گزرا کہ قریش کے سفیروں نے وہاں جا کر غلط قسم کی باتیں کر دی ہوں گی لہٰذا مناسب تھا کہ خود آپؐ کا اپنا سفیر جا کر مسلمانوں کا اصل مدعا ان پر ظاہر کرے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد3 نصف اول صفحہ:71) میں سمجھتا ہوں یہ توضیح درست نہیں ہے کیونکہ آنحضور ﷺ کا نورِ بصیرت اس معاملہ میں بھی دھوکہ نہیں کھا سکتا تھا۔ آپؐ تو سفیروں کو گفت وشنید سے پہلے ایک نظر دیکھ کر ہی یہ بھانپ لیتے تھے کہ یہ کس مزاج کے لوگ ہیں اور کیسی بات کریں گے؟ یہ کیسے ممکن تھا کہ گفت وشنید کے بعد بھی یہ اندازہ نہ فرما سکتے کہ وہ آنحضور ﷺ کے بارہ میں کیا تاثر واپس لے کر جا رہے ہیں اور کفار مکہ سے جا کر کیا کہیں گے؟ دراصل آنحضور ﷺ نے اپنا سفیر ہر صورت بھیجنا ہی تھا کیونکہ دشمن کے حالات اور اس کے حقیقی مقاصد اپنا نمائندہ بھجوائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ سفیر بھجوانے میں تاخیر اور پہلے مسلسل قریش مکہ کو سفیر پر سفیر بھجوانے کا موقع دینا آپؐ کی گہری فراست پر دلالت کرتا ہے۔ آپؐ جانتے تھے کہ قریش مکہ غیظ وغضب میں بپھرے ہوئے ہیں اور اس حد تک آپؐ کے عناد میں بڑھے ہوئے ہیں کہ سفارتی آداب کو ملحوظ نہ رکھیں گے اور بعید نہیں کہ آپؐ کے سفیر کو ہلاک کر دیں۔ پس آنحضور ﷺ کا آخر پر سفیر بھجوانے کا فیصلہ دراصل اس بات کا ثبوت تھا کہ آپؐ نے اندازہ لگایا کہ قریش کے چاروں سفیروں نے واپس جا کر بار بار آپؐ کے اور آپؐ کے ہمسفر اہل قافلہ کے حق میں ایسی اچھی رائے کا اظہار کیا ہو گا کہ بہت حد تک قریش کا اشتعال ٹھنڈا پڑ چکا ہو گا اور دماغ کم از کم اس حد تک ٹھکانے آ چکے ہوں گے کہ وہ آنحضور ﷺ کے سفیر کو قتل کرنے سے باز رہیں۔ تاہم آپؐ نے مزید احتیاط کے طور پر ایک خزاعی صحابی کو سفیر بنایا کیونکہ قریش کا پہلا سفارتی وفد خزاعی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور عرب مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ اُمید رکھنا بے محل نہ تھا کہ خزاعی قبیلہ کے لوگ اپنے ہم قبیلہ سے ہمدردی رکھیں گے جبکہ خود ان سے بھی حسن سلوک کیا گیا تھا۔ اسی طرح احابیش کے سردار کے نہایت متاثر ہو کر لوٹنے سے بھی آپؐ باخبر تھے اور سمجھ چکے تھے کہ وہ مسلمانوں کا ہمدرد اور مؤید بن کر واپس لوٹا ہے۔ اس پس منظر میں آپؐ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب سفیر بھجوانے میں کسی بڑے ضرر کا احتمال نہیں۔

پیش آمدہ حالات سے پتہ چلتا ہے کہ کسی قدر تاخیر کے ساتھ اپنا سفیر بھجوانے کا فیصلہ انتہائی دانشمندانہ اور برمحل تھا کیونکہ مزاج نسبتاً درست ہونے کے باوجود قریش کے عناد کا عالم اب بھی یہ تھا کہ انہوں نے آپؐ کے سفیر کو سخت بے عزت کیا اور مزید تذلیل اور اظہار جہالت کے طور پر آنحضور ﷺ کی اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جو آپؐ نے ازراہ شفقت اپنے سفیر کو عنایت فرمائی تھی۔ بعید نہ تھا کہ اس حالت طیش میں وہ سفیر کو بھی گزند پہنچا دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے احابیش کو ان کی مدد کے لئے کھڑا کر دیا اور وہ کفار مکہ اور سفیر محمد مصطفیٰؐ کے درمیان حائل ہو گئے۔

آنحضور ﷺ کو اس بدخلقی اور جہالت سے بہت رنج پہنچا لیکن آپؐ کے خلق عظیم اور رحمت اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب اس دوران کفار مکہ کے چالیس سردار

پکڑے گئے جو بری نیت سے مسلمانوں کے کیمپ کے گرد چکر لگا رہے تھے تو آپؐ نے ان سے کوئی باز پرس نہ فرمائی اور معاف فرماتے ہوئے آزاد کر دیا حالانکہ وہ محض رہزن ہی تو تھے کوئی سفارتی حرمت انہیں حاصل نہ تھی۔(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ: 79)

دوسرا سفیر

پہلے سفیر کی ناکام واپسی کے بعد آپؐ نے دوسرے سفیر کے طور پر عمرؓ بن خطاب کا انتخاب فرمایا۔حضرت عمرؓ نے اس انتخاب سے یہ صحیح اندازہ لگایا کہ آنحضور ﷺ کے ذہن میں سفیر کی حرمت وخیریت کی فکر غالب ہے اور مجھے اس لئے منتخب فرما رہے ہیں کہ میرے ہم قبیلہ بنوعدی میری حفاظت کے ضامن ہوجائیں گے۔ پس حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! ان دنوں مکہ میں بنوعدی موجود نہیں جو میری حفاظت کے ضامن ہوں۔ پس میں یہ مشورہ عرض کرتا ہوں کہ موجودہ حالات میں عثمانؓ سے بہتر اور کوئی سفارت کے لئے موزوں نہیں۔ عمرؓ کا یہ مشورہ آنحضور ﷺ کو پسند آیا اور آپؐ نے بلاتردد عثمان غنیؓ کو سفیر بنا کر اہل مکہ کی طرف روانہ فرمایا۔ دراصل ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کے اہل مکہ پر اتنے احسانات تھے کہ اہل مکہ کی طرف سے کم سے کم خطرہ اگر کسی کو درپیش ہوسکتا تھا تو وہ حضرت عثمانؓ ہی تھے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صف اوّل صفحہ 72-71) چنانچہ یہی ہوا کہ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے پہلا قریش سردار جو آپؓ کو ملا اس نے ذاتی طور پر آپؓ کو امان دے دی اور بلاخوف وخطر آپؓ نے سفارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ:72) یہی نہیں بلکہ اہل مکہ نے تو اس حد تک آپؓ کی عزت افزائی کی کہ خود بھی یہ پیشکش کی کہ اگر تم خود بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے لیکن محمد ﷺ کو ہم اجازت نہیں دے سکتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ہرگز ممکن نہیں کہ اپنے آقا کے بغیر عثمانؓ اکیلا ہی طواف کرے۔(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صف اوّل صفحہ:73) بہرحال گفت وشنید جاری رہی لیکن کفار کسی حالت میں بھی آنحضور ﷺ اور آپؐ کے قافلہ کو عمرہ اور حج کی اجازت دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ تاہم حضرت عثمانؓ کی سفارت کلیۃً رائیگاں نہ گئی اور قریش اس حد تک نرم ضرور پڑ گئے کہ صلح پر آمادہ ہوجائیں۔

بیعت رضوان

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو لمبی بحث وتمحیص میں اتنی دیر ہوگئی کہ وہیں رات پڑ گئی اور واپسی کا وقت نہ رہا پس اس روز آپؓ واپس نہ آسکے۔ ایک تو ویسے ہی اس تاخیر سے تشویش لازمی تھی، اوپر سے کسی نے یہ غلط خبر اڑا دی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔مسلمان جو پہلے ہی زخم خوردہ اور کبیدہ خاطر تھے اس قدر اس خبر سے برافروختہ ہوئے کہ غم وغصہ سے بے قابو ہوئے جاتے تھے۔ آنحضور ﷺ کو اس خبر کی صداقت پر گو یقین تو نہ تھا مگر اس کے درست ہونے کے احتمال سے بھی آپؐ اتنا ملول خاطر ہوئے کہ دوران سفر کسی اور چیز نے آپؐ کو اتنا دکھ نہ پہنچایا تھا۔ اس موقع پر آپؐ نے ایک تاریخی عہد پر صحابہؓ سے بیعت لی کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لئے بغیر ہرگز وہاں سے واپس نہیں لوٹیں گے اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھائیں گے خواہ ایک ایک مسلمان اسی میدان میں شہید ہو جائے۔(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ 75-73)

پس تاریخ اسلام کے فلک پر کہکشاں کی طرح چمکنے والا وہ جنت کا راستہ جسے بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسی موقع پر تعمیر ہوا۔ ایک درخت کے نیچے ایسی حالت میں آنحضور ﷺ نے تمام صحابہؓ سے بیعت لی کہ ہر دل پھڑک رہا تھا اور ہر جان شوقِ شہادت میں سینے سے باہر ہوئی جاتی تھی۔

دراصل حضرت عثمانؓ کا پیچھے رہ جانا اور غلط خبر کا مشہور ہو جانا بھی ایک عظیم آسمانی تدبیر کی کڑیاں تھیں کوئی اتفاقی حادثات نہ تھے۔ چنانچہ یہ دلخراش خبر صحابہؓ کے تو دونوں جہان سنوار گئی اور ایسی برکتیں ان کو نصیب ہوئیں کہ شاید ہی کوئی خوشخبری ان کے حق میں ایسا معجزہ دکھا سکتی۔

اس واقعہ کا بیعت رضوان پر منتج ہونا ایک اتنا بڑا روحانی فائدہ ہے کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ بنی آدم کی تاریخ میں نہ کبھی پہلے ایسی بیعت لی گئی اور نہ آئندہ کبھی لی جانی تھی کہ جس کے بارہ میں عرش کا خدا یہ گواہی دے رہا ہو کہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۱﴾

یقیناً یہ لوگ جو تیری بیعت کر رہے ہیں دراصل خدا کی بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جو کوئی اس عہد کو توڑے گا وہ اپنے ہی مفاد کے خلاف ایسا کرے گا اور جو اس عہد کو ایفا کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اس عظیم روحانی فائدہ کے علاوہ بعض ضمنی فوائد بھی اس بیعت کے حاصل ہوئے۔مثلاً یہ کہ صحابہؓ کو اپنے سینوں کے دبے ہوئے غم وغصہ کو کسی حد تک نکالنے کا موقع مل گیا اور یہ موقع بھی مل گیا کہ من حیث الجماعت عروہ بن مسعود کے اس ناپاک الزام کا منہ توڑ دیں کہ نعوذ باللہ صحابہؓ آنحضور ﷺ کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

سفیر کی حرمت کا سبق

بیعت رضوان کے واقعہ میں سفیر کی حرمت کا جو عظیم الشان سبق ہمیں ملتا ہے اسے عموماً مؤرخین نے نظرانداز کر دیا ہے حالانکہ بین الاقوامی تعلقات میں آنحضور ﷺ کے اسوہ کا یہ پہلو ایک درخشندہ مثال ہے جو قیامت تک قوموں کے لئے نور اور ہدایت کا موجب بنی رہے گی۔ اپنے سفیر کے قتل کی خبر پر آنحضور ﷺ کا جنگ پر آمادہ ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپؐ کے دل ودماغ پر تو اس وقت حج بیت اللہ کا عشق اس حد تک مستولی تھا کہ کسی قیمت پر بھی جنگ وجدال میں الجھ کر حج بیت اللہ سے محروم نہیں رہنا چاہتے تھے۔ اس اعلیٰ مقصد کے لئے آپ نے بڑی سے بڑی قربانی دی۔ ہر دباؤ کو برداشت کیا لیکن آپؐ کے اس فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی کہ جنگ نہیں ہوگی، نہیں ہوگی نہیں ہوگی۔ پہلے کبھی

آپؐ پر جنگ کے لئے ایسا دباؤ نہیں پڑا تھا جیسا اس وقت پڑا اور کبھی آپؐ نے جنگ سے اس شدت کے ساتھ احتراز نہیں فرمایا تھا جیسا اس وقت فرما رہے تھے۔ ہاں جب سفیر کی حرمت کا سوال سامنے آیا تو آپ نے بلا تردد اپنا فیصلہ تبدیل فرما دیا اور ہر دوسری مصلحت کو اس اصول پر قربان کر دیا کہ سفیر کی حرمت کو بہر حال قائم کیا جائے گا خواہ اس راہ میں کیسی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر سے پہلے آپؐ کا جو رویہ تھا اس رویہ میں اور اس رویہ میں جو قتل کی خبر کے بعد ظاہر ہوا یوں لگتا ہے جیسے مشرق و مغرب کا بُعد ہے اور زمین و آسمان کا فرق پڑ چکا ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ اس خبر سے پہلے آپ کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے کیسے کیسے بیرونی اور اندرونی دباؤ کا سامنا تھا جس کی آپؐ نے قطعاً پروا نہ کی۔ بیرونی دباؤ تو دشمن کی مسلسل اشتعال انگیزی کی صورت میں تھا لیکن اس سے بڑھ کر آپؐ کے قلب صافی پر اثر انداز ہونے والا وہ اندرونی دباؤ کا سامنا تھا جو صحابہؓ کے جوش جہاد کی صورت میں بڑے زور کے ساتھ طغیانی دکھا رہا تھا تن تنہا آپؐ ان دونوں محاذوں پر بے مثل پامردی کے ساتھ جمے رہے اور آپؐ کے مستحکم ارادہ نے ایک انچ زمین بھی نہ چھوڑی اور ہر اس دباؤ کو رَد فرما دیا جو جنگ کی طرف دھکیلنے والا تھا۔ پھر دیکھو کہ اچانک یہ کیا انقلاب آیا اور یک بیک رُت کیسی بدلی کہ جونہی سفیر کے قتل کی خبر پہنچتی ہے امن کا رسول اور محبت کا سفیر ہر دوسرے شخص سے زیادہ جنگ پر آمادہ اور مستعد ہو جاتا ہے۔

آپؐ کا یہ انقلابی فیصلہ بلاشبہ اس حقیقت کا غماز تھا کہ آنحضور ﷺ کے نزدیک عہدہ سفارت کو غیر معمولی حرمت حاصل ہے اور سفیر کے قتل کو آپؐ ایک انتہائی بھیانک انسانیت سوز جرم تصور فرماتے تھے۔ پس دشمنوں کا ہر دوسرا ذلت آمیز اور غیر شریفانہ حربہ جو کام نہ کر سکا آپؐ کے سفیر کے قتل کی خبر نے وہ کر دکھایا۔ بین الاقوامی تعلقات کے طلبہ کے لئے اور برسر پیکار قوموں کی رہنمائی کے لئے قیامت تک اس میں ایک سبق ہے مگر غیر قوموں سے ہمیں کیا شکوہ کاش مسلمان کہلانے والے ہی اپنے محبوب آقا کی اس محبوب سنت کو حرزِ جان بنائے رکھتے۔

آنحضور ﷺ کے اس اسوہ پر غور کرتے ہوئے میرا ذہن اس طرف بھی منتقل ہو گیا کہ آپؐ کا اپنے سفیر کی حرمت کا اس قدر پاس کرنا دراصل صفات باری تعالیٰ کا ہی ایک عکس تھا۔ آپؐ بہمہ ذات وصفات خدا کے رنگ میں رنگین تھے۔ آپؐ کی اپنی کوئی الگ ادا نہ تھی بلکہ اپنے مولیٰ ہی کے ڈھنگ سیکھے تھے۔ حدیبیہ کے مقام پر یہ سب الٰہی رنگ آپ ﷺ کی ذات میں ایک عجیب شان دلربائی کے ساتھ کبھی جمال بن کر ظاہر ہوئے کبھی جلال بن کر چمکے۔

خدا کی غیرت

میں نے سوچا کہ سفیر کی حرمت کا پاس بھی محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے رب ہی سے سیکھا تھا وہ بھی تو اپنے سفیروں کی حرمت کے لئے بے مثل غیرت دکھاتا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی انبیاء کے دشمنوں کی وہ ساری تاریخ ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح میری آنکھوں کے سامنے پھر گئی جو بڑے بڑے مغرور اور سرکش بادشاہوں کے سر توڑے جانے کی خبر دیتی ہے اور بڑی بڑی عظیم قوموں کی ہلاکت اور بربادی کی داستان بیان کرتی ہے۔ جب کبھی ان بادشاہوں نے جن کے رُعب اور ہیبت سے زمین کانپا کرتی تھی اللہ کے سفیروں اور اس کے در کے فقیروں کو حقارت سے دیکھا اور ان کو رسوا کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ کی غیرت اور جلال نے خود انہی کو ذلیل اور رسوا کر دیا، ان کی عزتوں کو خاک میں ملا دیا اور ان کی سلطنتوں کو پارا پارا کر دیا۔ ان کی عظمتوں کے پرزے اڑا دیئے گئے اور ان کے تکبر ٹوٹ کر اس طرح ریزہ ریزہ ہو گئے جیسے کانچ کا برتن کوئی غضبناک ہاتھ کسی چٹان پر دے مارے۔ وہی زمینیں جو کبھی ان کے ہیبت وجلال سے کانپا کرتی تھیں ان کے بدانجام کے نظارے سے لرزنے لگیں۔ میں نے آنحضور ﷺ کے اسوہ پر غور کیا تو مجھے سمجھ آ گئی کہ کیوں وہ بظاہر عظیم قومیں تباہ کی گئی ہیں جنہوں نے خدا کے پیغمبروں کے مقابلہ کی جسارت کی تھی؟ کیوں انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا اور کیوں وہ خواب وخیال کی باتیں بن گئیں؟ ان کی جمعیتیں کام نہ آئیں اور ان کی کثرت نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ وہ ہلاک کی گئیں مگر آسمان نے ان کے حال پر کوئی آنسو نہ بہایا۔ وہ برباد کی گئیں مگر زمین نے ان کی بربادی پر کوئی تاسف نہ کیا۔ ہاں زمین وآسمان نے بیک آواز ان پر لعنت کی اور وقت نے لعنت کی اس پھٹکار کو اس طرح محفوظ کر لیا کہ قیامت تک اس کی گونج سنائی دیتی رہے گی۔ زمین کی لعنت کی بازگشت آسمان سے اُترتی رہے گی اور آسمان کی لعنت کی بازگشت زمین سے اٹھتی رہے گی اور قرآن کی تلاوت کرنے والے ہمیشہ مسرت کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہوئے ان آیات کی تلاوت کرتے رہیں گے۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ (الدخان:30)

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (البقرۃ:160)

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (البقرۃ:162)

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۞ (الزخرف:57-56)

پس نوحؑ کی قوم کا انجام میری آنکھوں کے سامنے آ گیا اور لوطؑ کی قوم پر دن رات برسنے والے سنگریزے مجھے دکھائی دینے لگے۔ عاد اور ثمود کی بربادی کے مناظر نے مجھے بے چین کر دیا اور حسرت سے میں نے بنی آدم پر نظر ڈالی کہ آخر کب تک وہ خدا کے سفیروں کی بے حرمتی کی جسارت کرتے رہیں گے۔ میں کانپ اٹھا اس الہام کے تصور سے جو آج کے زمانہ کے انسان کے لئے عبرت اور تذکیر کا عنوان بنا ہوا ہے:

''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا''۔ (تذکرہ صفحہ:148)

آیئے اب ہم ماضی کے عبرت کدوں اور مستقبل کے پُرخطر اور پُر ہول مقامات سے واپس حدیبیہ کے میدان کی طرف لوٹتے ہیں جہاں ہمارے آقا و مولیٰ اپنے سفیر کے قتل کی خبر پر صحابہؓ سے بیعت لے رہے ہیں۔ یہ بیعت ایسے گہرے خلوص اور جذبہ سے کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور رضا کی نظر پڑی اور اسے پایۂ قبولیت میں جگہ عطا کرتے ہوئے اس واقعہ کا ذکر فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (الفتح:19)

سب کچھ ہوا اور خبر کے ظاہر ہونے پر فیصلہ فرماتے ہوئے آنحضور ﷺ اگرچہ ہر امکانی اقدام کے لئے پوری طرح تیار ہو چکے تھے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آنحضور ﷺ کی غیر معمولی بصیرت نے اس امکان کا دروازہ ابھی بند نہیں فرمایا تھا کہ شاید یہ خبر جھوٹی ہو۔ چنانچہ بیعت کے دوران عثمانؓ کی نمائندگی میں آپؐ کا اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمانا کہ میرا بایاں ہاتھ عثمانؓ کی نمائندگی کر رہا ہے لہٰذا وہ بھی اس بیعت میں شامل ہے، صاف بتا رہا ہے کہ آنحضور ﷺ کے نزدیک ان کی زندگی کا امکان ان کے قتل کے احتمال کی نسبت زیادہ تھا ورنہ اس بیعت میں حضرت عثمانؓ کو شامل فرمانے کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ یہ بیعت تو شہادت کے عہد کے طور پر لی جا رہی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا اگر آپؐ کو یقین ہوتا تو ان کو اس بیعت میں شریک نہ فرماتے۔ وہ جو پہلے ہی شہید ہو چکا ہو اس نے شہادت کا از سرِ نَو اقرار بھلا کیا کرنا تھا! پس فکر و نظر قربان ہوں ان مقدس نگاہوں پر جو اللہ کے نور سے دیکھا کرتی تھیں۔ وہی ہوا جس کا آپؐ کو غالب گمان تھا اور بیعت رضوان کے تھوڑی دیر بعد ہی حضرت عثمانؓ بخیر و عافیت اپنے آقا کے قدموں میں لوٹ آئے۔

شانِ دلنوازی

اپنے بائیں ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر خود اپنے ہی ہاتھ سے ان کی بیعت لینے کے واقعہ میں ایک عجیب شانِ دلنوازی بھی پائی جاتی ہے۔ دیکھو کیسی بندہ پروری ہے، کیسی شفقت اور رحمت کا اظہار ہے، کیسی محبت ہے اپنے غلاموں سے، کیسا پیار ہے کہ اس عظیم الشان اور منفرد تاریخی واقعہ پر جب خدا کے بے پایاں فضل اور مغفرت نے اس درخت اور اس کے گرد و پیش اور ان سب کو جو اس کے نیچے تھے ڈھانپ رکھا تھا اپنے اس غلام کو یاد رکھا اور محروم نہ رہنے دیا جس نے مسلمانوں کی نمائندگی میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا تھا۔ اس غلام کو ذرا دیکھو کہ آقا نے کیسا اعزاز بخشا اور کیسے خاک سے اٹھا کر ثریا سے ملا دیا! اس بندۂ فانی کو کیسا آبِ حیات عطا کیا کہ زندہ جاوید کر دیا۔ وہ جو غیر حاضر تھا سب حاضر غلاموں سے آگے بڑھ گیا اور وہ ہاتھ جو بیعت نہ کر سکا تھا سب بیعت کرنے والے ہاتھوں پر سبقت لے گیا۔ وہ عجیب لمحات تھے کہ جب آسمان کی آنکھ نے یہ چکا چوند کرنے والا نظارہ دیکھا کہ محمد مصطفیٰؐ کا ایک ہاتھ تو اللہ کے ہاتھ کی نمائندگی کر رہا تھا اور دوسرا ہاتھ عثمانؓ کے ہاتھ کی۔ آنحضور ﷺ کی اس بندہ پروری کو دیکھ کر بے اختیار دل سے یہ صدا اُٹھتی ہے کہ اے سب دلنوازوں سے بڑھ کر دلنوازی کرنے والے آقا! ہاں اے سب دلنوازوں سے بڑھ کر دلنوازی کرنے والے آقا! کہ ہمارے سینوں میں جانیں تیرے قدموں پر نثار ہونے کے لئے مچل رہی ہیں اور دل جوشِ محبت سے دھڑکتے ہوئے ہنسلیوں سے ٹکرا رہے ہیں:۔

وَاَرَى الْقُلُوْبَ لَدَى الْحَنَاجِرِ كُرْبَةً
وَاَرَى الْغُرُوْبَ تُسِيْلُهَا الْعَيْنَانِ

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ:590)

جیسا کہ بیان کر چکا ہوں بیعت رضوان کو ابھی کچھ دیر نہ گزری تھی کہ حضرت عثمانؓ واپس اہل ایمان کے قافلہ میں آ ملے۔ رحمتوں کی بارش برسانے کے بعد فکر کے وہ سب بادل چھٹ گئے اور گفت و شنید کا منقطع سلسلہ ایک بار پھر سے جاری ہو گیا۔

اس مرتبہ قریش مکہ نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور آنحضور ﷺ نے اسے دیکھتے ہی حاضرین مجلس کو یہ خوشخبری سنائی کہ سَهُلَ اَمْرُكُمْ یعنی اب آسانی کی صورت نکل آئی اور آخر قریش صلح پر آمادہ ہو ہی گئے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ:80)

اس گفت و شنید کے دوران صحابہؓ پر بار بار ایسے سخت ابتلا آئے کہ خدا تعالیٰ کے خاص فضل کا ہاتھ ان کے دل نہ تھامے رکھتا تو وہ صبر کی بازی ہار جاتے۔

عمومی گفتگو کے بعد فریقین کے مابین جو باتیں طے ہوئیں وہ اکثر و بیشتر اپنی ظاہری صورت میں مسلمانوں کے لئے خفت اور کفار کے لئے فتح و شادمانی کا موجب نظر آتی تھیں اور خدا اور اس کے رسولؐ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا کہ ان میں سے ہر خفت آمیز شرط کے اندر مستقبل کی فتح کی چابیاں چھپی ہوئی ہیں۔ معاہدہ صلح کی وہ شرائط جو مسلمانوں کو انتہائی خفت آمیز معلوم ہو رہی تھیں اور وہ انہیں قبول کرنے کی بجائے کٹ مرنے کو ترجیح دیتے تھے وہ یہ تھیں:

''اس سال مسلمان بغیر حج اور عمرہ کے واپس لوٹ جائیں ہاں آئندہ سال دوبارہ آئیں لیکن اُس دفعہ بھی صرف تین دن مکہ میں قیام کی اجازت ہو گی۔ تا اختتام معاہدہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح رہے گی لیکن اس دوران اگر کفار میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت کر جائے تو عند المطالبہ اسے کفار کو واپس کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر کفار سے جا ملے تو اسے مسلمانوں کو واپس نہیں کیا جائے گا''۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ:85-84)

آج ہمیں یہ حقیقت نہیں بھلانی چاہئے کہ صحابہؓ لاکھ مومن سہی آخر انہی عربوں میں سے تو آئے تھے جو اپنی عزتِ نفس پر ایک ادنیٰ سی آنچ بھی نہ آنے دیتے تھے۔ وہی آزاد صحرائی خون ان کی رگوں میں بھی گردش کر رہا تھا جو ذرا سی سبکی کے تصور سے بھی کھولنے لگتا تھا۔ ان کے دلوں سے بھی ویسے ہی تیل کے چشمے اُبلتے تھے جو تحقیر کی ایک ذرا سی چنگاری سے آتش جوّالہ بن کر بھڑک اٹھتا تھا۔ پس کیا یہ حضور اکرمؐ کی عظمت و جلال کا معجزہ نہیں تھا کہ ان کی غیرتیں کفار مکہ کی کُند چھریوں سے ذبح کی گئیں مگر انہیں پھڑکنے کی بھی اجازت نہ تھی۔

ان بظاہر ذلت آمیز شرائط پر مستزاد یہ کہ صلح نامہ کی تحریر کے دوران سہیل بن عمرو آنحضور ﷺ سے مسلسل بدخلقی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ چنانچہ جب اسلامی دستور کے مطابق سرنامہ پر ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھا گیا تو اس نے سختی سے کہا ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کیا ہے؟ میں تو **باسمك اللّٰهم** لکھواؤں گا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس کے مطابق تحریر کا ارشاد فرمایا۔ پھر جب یہ لکھا گیا کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان ہے تو اس نے کہا اگر ہم تجھے اللہ کا رسول مانتے تو اس جھگڑے کا موقع ہی کیا تھا اس لئے رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر سیدھا سادہ محمدؐ بن عبداللہ لکھو۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ اس موقع پر بھی آنحضور ﷺ نے اس کی بات تسلیم فرمائی اور علیؓ کو محمدؐ رسول اللہ کاٹ کر محض محمد بن عبداللہ لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ اس وقت صحابہؓ کے دل کی جو کیفیت تھی اس کا کچھ اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؓ جو اطاعت کا پتلا اور فنافی الرسولؐ تھے کامل فرمانبرداری کے باوجود حضورؐ کے اس ارشاد کی تعمیل سے قاصر رہے۔ ان کے ہاتھوں میں اس بات کی سکت ہی نہ رہی کہ محمدؐ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ کر محمدؐ بن عبداللہ لکھیں۔ ان کی کیفیت دیکھ کر آنحضور ﷺ نے انہیں کچھ نہیں کہا، کوئی شکوہ نہیں کیا، کسی خفگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ خاموشی سے ہاتھ بڑھا کر وہ تحریر لے لی اور اپنے دستِ مبارک سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمدؐ بن عبداللہ لکھ دیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد3 نصف اوّل صفحہ:83-82)

بعض مؤرخین کے نزدیک یہ آنحضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ اُمّی ہوتے ہوئے بھی اپنا نام لکھ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ رسالت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں چونکہ دستخطوں کی ضرورت پیش آتی تھی لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپؐ نے اپنا نام لکھنا سیکھ لیا ہو لیکن یہ بحث ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ شرائط صلح تو پہلے ہی مسلمانوں کو سخت خفت آمیز دکھائی دے رہی تھیں اوپر سے سہیل بن عمرو کی بدتمیزی اور گستاخی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ یہ نظارہ ان کی بے قراری کو اور بھی بڑھا رہا تھا کہ آنحضور ﷺ سہیل کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیتے بلکہ اس کی ہر ناواجب حرکت کو برداشت فرما رہے ہیں اور ہر ناحق مطالبے کو بھی قبول فرماتے چلے جارہے ہیں۔

آپ ﷺ حق پر ہیں

اس قسم کے واقعات نے حضرت عمر فاروقؓ کے زخموں پر تو ایسی نمک پاشی کی کہ تڑپ اُٹھے اور مزید صبر کا یارا نہ رہا۔ پس حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک طرف لے جاکر ان سے پوچھا کہ بتائیں کیا ہم حق پر نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم حق پر ہیں۔ پھر پوچھا کہ بتائیں کیا محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں محمد رسول اللہ ﷺ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ تب حضرت عمرؓ نے بے قرار ہو کر کہا کہ بتائیں پھر ہم اس کے باوجود یہ ذلّتیں کیوں برداشت کر رہے ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے سمجھایا اور فرمایا:

''یقیناً آپؐ خدا کے رسول ہیں اور آپؐ کا ربّ آپؐ کو ہرگز نہیں چھوڑے گا وہی آپؐ کا مددگار ہوگا پس آپؐ کی رکاب کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ خدا کی قسم آپؐ حق پر ہیں''۔

مگر عمرؓ بن خطاب کو قرار نصیب نہ ہوا اور اس امر سے باز نہ رہ سکے کہ اس قسم کی گفتگو خود آنحضرت ﷺ سے بھی کریں۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد3 نصف اوّل صفحہ:81-80)

ہر چند کہ وہ وقت آنحضور ﷺ پر بہت بھاری تھا اور صحابہؓ کے غم وحزن اور ان کی غیر متوقع طرز عمل سے آپؐ کو بہت دکھ پہنچا لیکن آپؐ نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا اور عفو اور درگذر سے کام لیا، حضرت عمرؓ کو کوئی سرزنش نہ فرمائی تعجب کا اظہار تک نہ کیا کہ اے عمرؓ مجھ سے یہ تو کہہ رہا ہے!

آپؐ کے دل کی کیفیت آپؐ کے آسمانی رازداں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا لیکن افسوس کے ساتھ تعجب تو فرماتے ہوں گے کہ وہ عمائدین جو دست وبازو تھے۔ نہیں نہیں! وہ غلام جو پاپوش اُٹھانے کو بھی سعادت جانتے تھے آج غم وحزن اور احساس خفت نے ان کو اس حال تک پہنچا دیا کہ نہیں سوچتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں لیکن آنحضور ﷺ نے عمرؓ سے کوئی تعرض نہ فرمایا ہاں درد میں ڈوبی ہوئی آواز میں صرف اتنا کہا کہ عمرؓ میں یقیناً اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور ہرگز اس کے منشاء کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اور میں اس سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہی میری حفاظت کرے گا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد3 نصف اوّل صفحہ:93-92 تاریخ طبری جلد2 صفحہ:122)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ درد وکرب کی وہ چیخ جو سوال بن کر حضرت عمرؓ کے دل سے نکلی دوسرے بہت سے سینوں میں بھی گھٹی ہوئی تھی۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن جذبات کو عمرؓ نے زبان دی تھی وہ صرف ایک عمرؓ کے جذبات نہیں بلکہ اَوروں کے بھی تھے اور سینکڑوں سینوں میں اسی قسم کے خیالات ہیجان بپا کئے ہوئے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے جو ان کے اظہار کی جرأت کی یہ ایک ایسی چُوک ہوگئی کہ بعدازاں عمر بھر حضرت عمرؓ اس سے پشیمان رہے۔ بہت روزے رکھے بہت عبادتیں کیں۔ بہت صدقات دیئے اور استغفار کرتے ہوئے سجدہ گاہوں کو تر کیا لیکن پشیمانی کی پیاس نہ بجھی۔ حدیبیہ کا اضطراب تو عارضی تھا جسے بہت جلد آسمان سے نازل ہونے والی رحمتوں نے طمانیت میں بدل دیا مگر وہ اضطراب جو اس بے صبری کے سوال نے عمرؓ کے دل میں پیدا کیا وہ ایک دائمی اضطراب بن گیا جس نے کبھی آپؓ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہمیشہ حسرت سے یہی کہتے رہے کہ کاش میں نے آنحضور ﷺ سے وہ سوال نہ کیا ہوتا۔

(تاریخ طبری جلد2 صفحہ:124)

بارہا میں یہ سوچتا ہوں کہ بستر مرگ پر آخری سانسوں میں حضرت عمرؓ جب **لَالِیْ وَلَا عَلَیَّ** کا ورد کر رہے تھے کہ اے خدا میں تجھ سے اپنی نیکیوں کا بدلہ نہیں مانگتا تو میری خطائیں معاف کر دے تو سب خطاؤں سے بڑھ کر اس ایک خطا کا تصور آپؓ کو بے چین کئے ہوئے ہوگا جو میدان حدیبیہ میں آپؓ سے سرزد ہوئی۔

صلح نامہ کی تحریر کے دوران صحابہؓ کی بے چینی اور دل شکستگی کا عالم دیکھ کر آنحضور ﷺ کے دل کی کیفیت

کا راز آپؐ کے آسمانی آقا اور بے حد محبت کرنے والے رفیق اعلیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا لیکن ان تین سادہ سے جملوں میں جو عمرؓ کے جواب میں آپؐ کی زبان مبارک سے نکلے آپؐ نے غور کرنے والوں کے لئے بہت کچھ فرما دیا۔

آپؐ کا یہ فرمانا کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اس کی مرضی کے سوا کچھ نہ کروں گا آپؐ کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔صحابہؓ کے سخت زخمی دل اور پُر ہیجان جذبات ایک طرف تھے جو آنحضور ﷺ ہی کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے لئے مچل رہے تھے اور دوسری طرف مرضی مولیٰ تھی جو حج بیت اللہ کے قصد کے بعد ہر قسم کے جنگ وجدال سے روکے ہوئے تھی۔ پس آپؐ نے اس امر کی ذرہ بھی پروانہ کی کہ دشمن آپؐ کی بظاہر ناکام واپسی پر کیا کیا پھبتیاں نہ کسے گا۔ آپؐ اس امر کو بھی خاطر میں نہ لائے کہ صحابہؓ کے دل پر کیا بیتے گی اور خفت سے اندر ہی اندر وہ کس طرح کٹ رہے ہوں گے۔ آپؐ اوّل وآخر اپنے مولیٰ کے بندے اور اسی کے رسول تھے اور خدا کی مرضی کے مقابل پر کل مخلوق کی مرضی بھی آپؐ کے سامنے کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی۔ پھر آپؐ کا یہ فرمانا بھی کتنا معنی خیز اور کتنا لرزا دینے والا اعلان تھا کہ میں اپنے مولیٰ ہی سے حفاظت کی اُمید رکھتا ہوں۔ گویا سب پر برملا یہ واضح فرما دینا چاہتے تھے کہ ہر چند کہ تم لوگوں سے وفا کی امید ہے لیکن اے صحابہؓ کے گروہ! میرا سہارا تم نہیں ہو بلکہ صرف اور صرف میرا خدا ہے۔ یہ اعلان تھا اس اٹل حقیقت کا کہ آپؐ نے جس خدا کا ساتھ اس شدید آزمائش کے وقت میں بھی نہیں چھوڑا وہ ہرگز آپ کا ساتھ کسی مشکل کے وقت بھی نہیں چھوڑے گا۔

قربانیاں دینے اور سر منڈانے کا ارشاد

معاہدہ صلح لکھا گیا اور کفار کا وفد فتح کا گمان لئے ہوئے اس حال میں کہ دل میں شہنائیاں بج رہی تھیں واپس لوٹ گیا اور صحابہؓ کا یہ عالم کہ ایک فرضی شکست کے احساس سے نڈھال غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے پڑے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں کیسی عظیم اور روشن اور کھلی کھلی فتح سے ہمکنار فرمایا ہے۔ اس وقت آنحضور ﷺ نے بآواز بلند یہ اعلان فرمایا کہ اُٹھو اور قربانیاں دو اور سر منڈواؤ اور بال ترشواؤ۔یقین نہیں آتا مگر یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اس مقدس آواز کو سن کر ایک صحابیؓ نے بھی حرکت نہ کی اور کسی بدن میں جنبش نہ آئی۔ آنحضور ﷺ نے دوسری بار پھر اس ارشاد کی تکرار فرمائی لیکن وہی پہلے کا سا سکوت طاری رہا پھر تیسری دفعہ آنحضور ﷺ نے بلند تر آواز میں وہی ارشاد دُہرایا کہ اُٹھو قربانیاں دو اور سر منڈواؤ اور بال ترشواؤ لیکن سرتاپا غم کی تصویر بنے ہوئے صحابہؓ میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ آنحضور ﷺ پر وہ گھڑی کیسی کڑی ہوگی۔ تاریخ ہمیں صرف یہ بتاتی ہے کہ آنحضور ﷺ خیمہ میں داخل ہوئے اور ام سلمہؓ سے مخاطب ہو کر بڑے درد کے ساتھ اس انہونی بات کا تذکرہ فرمایا۔ اس پر ام سلمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ غم نہ کریں صحابہؓ نافرمان نہیں ہیں بلکہ شدت غم سے مغلوب ہو چکے ہیں پس آپ باہر تشریف لے جائیں اور قربانی کریں پھر دیکھیں کہ صحابہؓ آپ کو دیکھ کر کس طرح پیروی کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے اس مشورہ کو قبول فرماتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ آنحضور ﷺ کو تن تنہا قربانی کرتا ہوا دیکھ کر صحابہؓ پر ایک بجلی سی گری گویا تن مردہ میں جان پڑ گئی۔ وہ میدان خفتگان ایک میدان حشر میں تبدیل ہو گیا جیسے صور پھونکا جا چکا ہو۔ ہر طرف بھگدڑ سی مچ گئی اور صحابہؓ بے محابا قربانیوں کی طرف دوڑے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے لگے اور اچانک اس پرسکون اور جامد وساقط میدان میں ہر طرف ایک شور قیامت برپا ہو گیا۔ ذبح ہوتی ہوئی قربانیوں کے شور اور صحابہؓ کی تسبیح وتحمید نے فضا میں ایک غلغلہ سا مچا دیا۔ اس واقعہ کے بارہ میں صحابہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے سر اس تیزی اور جوش کے ساتھ مونڈنے لگے کہ احتمال تھا کہ کہیں گردنیں ہی نہ کاٹی جائیں۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ 93-92 تاریخ طبری جلد 2 صفحہ:124) یہ سب کچھ ہوا اور خوب خوب تلافی مافات ہوئی لیکن بایں ہمہ آج تک وہ توقف اور تامل دلوں میں کھٹکتا ہے جو صحابہؓ نے آنحضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں دکھایا اور تین مرتبہ کے بتکرار فرمان رسولؐ کے باوجود اس پر عملدرآمد سے کیسے قاصر رہے۔

چودہ سو برس ہونے کو آئے لیکن آج بھی جب انسان اس واقعہ کو پڑھتا ہے تو عقل گنگ ہو جاتی ہے اور سوچ کی طاقتیں ماؤف ہونے لگتی ہیں کہ چند ثانیوں کے لئے ہی سہی لیکن یہ ممکن کیسے ہوا کہ اطاعت کے پُتلے وہ جانثار صحابہؓ جو محمد مصطفیٰ ﷺ کے خفیف اشاروں پر تن من دھن کی بازی لگا دیتے تھے اور مال وزر لٹا دیتے تھے اس جان ودل سے پیارے آقا کی آواز سن کر بھی اَن سنی کیسے کر رہے تھے؟ وہ لوگ تو آسمان اسلام کے روشن ستارے تھے جن کی روشنی ایک عالم کے لئے ہدایت کا موجب بننے والی تھی۔ ان میں ولی بھی تھے اور ولیوں کے سرتاج علیؓ بھی۔ ابوبکرؓ وعثمانؓ اور عمرؓ بھی تھے۔ ان میں صالح بھی تھے اور شہید بھی اور صدیق بھی۔ انعام یافتہ بندگان خدا کا وہ ایک برگزیدہ گروہ تھا جن کا مثل دنیا نے کبھی نہیں دیکھا تھا پھر ان سب سے یہ کیا ظاہر ہوا کہ آج تک عقل حیران اور فکر سرگرداں ہے۔ دل پریشان ہو جاتا ہے اس نظارے سے۔ تاریخ اسلام کے یہ چند لمحاتِ توقف ایک عقدۂ لاینحل کی طرح سوچ وبچار کی قوتوں کو مفلوج کئے دیتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے محمد مصطفیٰ ﷺ کے وقت کے سوا اس میدان میں ہر دوسرا وقت ٹھہر گیا تھا اور آنحضور ﷺ کے دل کی دھڑکن کے سوا ہر دوسرے دل کی دھڑکن رُک چکی تھی۔

مؤرخین اور اصحاب سِیَر نے آنحضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں صحابہؓ کے توقف اور تامل کے جواز میں بہت کچھ لکھا ہے۔ محدثین نے بھی توجیہات پیش کی ہیں لیکن بات دراصل یہی ہے کہ وہ منزل ہی بہت کڑی تھی اور وہ امتحان ان کی حد استعداد سے باہر تھا۔ یہ وہ کٹھن مہم تھی جو محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور کوئی سر کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ یہ وہ حد فاصل تھی جو محمد مصطفیٰ ﷺ کو

ہر دوسری مخلوق سے جدا کرتی تھی۔ آپؐ نے قدم اٹھایا تو قدم اُٹھے۔ آپؐ آگے بڑھے تو آگے بڑھنے کے حوصلے پیدا ہوئے۔ صالحین اور شہداء اور صدیقوں کا ہی کیا ذکر اگر وہ محفل بینوں سے بھی سجی ہوتی تو بخدا محمد مصطفیٰؐ ان سب میں منفرد اور ممتاز اور ارفع اور بالاتر رہتے اور اطاعت خداوندی کے اس امتحان میں آپؐ کا تخت سب سے اونچا بچھایا جاتا۔

جہاد فی سبیل اللہ کا یہ ایک خاص اور منفرد مقام تھا۔ دیکھو راہ قتال میں بھی اُحد کے وہ چند دردناک لمحات آئے تھے جب قرآن کریم کے بیان کے مطابق دشمن کی یلغار نے مسلمانوں کے پاؤں اُکھاڑ دیئے تھے اور وہ اس حال میں دوڑے چلے جاتے تھے کہ پیچھے رسول خدا تنہا میدان جہاد میں کھڑے اُنہیں اپنی طرف بلا رہے تھے۔ پھر یہ اسوہ نبیؐ ہی تو تھا جس نے دوڑتے ہوؤں کو روکا اور گرتوں کو تھام لیا۔

حدیبیہ کا واقعہ راہ سلوک میں ایسا ہی ایک وقت تھا۔ پس تعجب کا کیا مقام اور وجہ جواز کی کیا ضرورت ہے؟ ایک دفعہ نہیں بارہا آپؐ کی زندگی میں ایسے تاریخ ساز لمحات آئے کہ تنہا آپؐ نے کھوئی ہوئی بازیوں کو جیتا اور دشمن کی جیتی ہوئی بساط کو اُس پر اُلٹ دیا۔ بارہا آپؐ نے مہیب خطرات کے رُخ پلٹے اور تنگ اور تاریک راہوں کو کشادہ اور روشن کیا اور خود آگے قدم بڑھایا تب آپؐ کے غلاموں کو یہ توفیق نصیب ہوئی کہ آپؐ کے نقوش پا کو چومتے ہوئے آگے بڑھیں۔

پس یہ تھا ہمارا آقا محمد مصطفیٰؐ منفرد اور تنہا، ممتاز اور اکیلا میدان وغا کی ہر بازی جیتنے والا وہ محبوب سبحانی جو میدان وفا میں بھی ہر دوسرے پر سبقت لے گیا۔

انعام حدیبیہ

میدان حدیبیہ میں آپؐ کی تقلید میں جو ظاہری قربانیاں دی گئیں وہ تو محض علامتیں تھیں اصل قربانیاں تو عزت نفس اور جذبات کی وہ قربانیاں تھیں جن کی گردن پر رضائے باری تعالیٰ کی خاطر سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر آنحضور ﷺ نے مضبوط اور نہ لرزنے والے ہاتھوں کے ساتھ چھری پھیری اور انہیں تڑپنے کی بھی اجازت نہ دی۔ یہی وہ قربانیاں تھیں جو بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوئیں اور اس شان سے مقبول ہوئیں کہ اس کی کوئی مثال انسانی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

حدیبیہ سے واپسی پر سورہ فتح کے نزول نے آنحضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ پر فضل واکرام کا ایک نیا باب کھولا۔ مقام محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک نئی شان اور نئی آن بان کے ساتھ ظاہر کیا اور حدیبیہ کی صلح کو فتح مبین قرار دے کر یہ راز مسلمانوں پر کھولا کہ یہ کوئی گراوٹ کی صلح نہ تھی بلکہ ایک کھلی کھلی فتح تھی جس کے بطن سے آئندہ عظیم الشان فتوحات نے جنم لینا تھا۔ اس سورۃ نے مسلمانوں کو یہ نوید سنائی کہ درخت کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر جو فدائیت اور وفا کی بیعت انہوں نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ پر کی تھی وہ رب العزت کی نظر میں مقبول ہوئی۔ خدا اُن سے راضی ہوا اور مستقبل قریب میں انہیں فتح کی بشارت دیتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اَثَابَھُمْ فَتْحاً قَرِیْباً کے الفاظ میں جس فتح کا ذکر ہے وہ فتح مکہ ہے جو مسلمانوں کو سب فتوحات سے زیادہ مرغوب تھی۔ چنانچہ اس موقع پر جمع کا صیغہ استعمال فرما کر سب صحابہؓ کو اس میں شریک کیا لیکن وہ دوسری فتح جس کا سورۂ فتح کی پہلی آیت میں ذکر کیا گیا ہے اور فتح مبین قرار دیا گیا اور اس کی بشارت دیتے ہوئے صرف رسول کریم ﷺ کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (الفتح:2) یہ فتح کیا تھی کھلی کھلی اور روشن روشن فتح جو خاص ذات مصطفیٰ ﷺ سے منسوب کی گئی اور جس میں آپؐ کے ساتھ اور کوئی شریک نہ تھا مگر آپؐ کے وسیلہ سے یہ فتح آپؐ کی عظمت کردار، آپؐ کے خلق عظیم، آپؐ کی روحانی قوتوں کی فتح تھی۔ یہ فتح مرضی خدا کی خاطر ترک رضائے خویش کی فتح تھی اور یہ فتح حصول مقصد کی فتح تھی اور فتح مکہ بھی اس میں شامل اور اس کے ذیل میں آتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا روشن فتح ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے مقاصد میں بتمام وکمال کامیاب ہوجائے۔ حدیبیہ کے واقعات کا بغور مطالعہ کریں تو لازماً انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس موقع پر آپؐ کے سارے مقاصد بدرجہ کمال پورے ہوگئے۔

آپؐ دشمن کی خونریزی سے بچنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اس خواہش کو معجزانہ طور پر پورا فرمایا اور دشمن کے ہاتھ روک دیئے۔ متعدد بار ایسے حالات پیدا ہوئے کہ جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھنے کو تیار تھے مگر اللہ کی رحمت نے ہر بار اس کو ٹھنڈا کر دیا۔ آپؐ صحابہؓ کو لڑائی سے باز رکھنا چاہتے تھے اور اس مقصد میں بھی خدا تعالیٰ نے آپؐ کو کامیابی عطا فرمائی۔ بارہا قریش کی طرف سے ایسی اشتعال انگیزی کی گئی کہ صحابہؓ کٹ مرنے پر تیار ہوگئے اور ایسا جوش اور ولولہ دکھایا کہ دنیا کے کسی دوسرے رہنما کے لئے اسے قابو میں رکھنا ممکن نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو ان کے مشتعل جذبات پر کامل غلبہ عطا کیا اور آنحضور ﷺ کے منشاء کے خلاف انہیں انگلی تک ہلانے کی توفیق نہ ملی۔ آنحضور ﷺ قریش مکہ سے صلح اور امن کے خواہاں تھے تا کہ جنوب کی طرف سے مطمئن ہو کر شمال میں اُٹھنے والے خطرات کے ساتھ یکسوئی سے نپٹ سکیں اور تا قریش امن کے ماحول میں ٹھنڈے دل کے ساتھ اسلام کے پیغام پر غور کرسکیں۔ پس آپؐ کو اس مقصد میں بھی مکمل کامیابی ہوئی اور خود قریش ہی صلح کی پیشکش پر آمادہ ہوگئے۔ آپؐ کو یقین تھا کہ آپ کا رؤیا ظاہری رنگ میں پورا ہوگا خواہ جلد ہو یا بدیر چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ ہی کے ہاتھوں یہ پیشکش بھی کروادی کہ آئندہ سال آپؐ بے شک آئیں اور تین دن قیام کر کے مناسک عمرہ ادا کریں ہماری طرف سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا اور کوئی امن شکنی نہ ہوگی۔ پس اسی معاہدہ نامہ صلح میں رؤیا کے ظاہری شکل میں پورا ہونے کے آثار بھی رکھ دیئے۔

معاہدہ صلح میں چند ایسی دلآزار باتیں جو قریش کے تفاخر کا باعث اور صحابہؓ کی عزت نفس کو کچلنے کا موجب بنی ہوئی تھیں جب جذبات کی ہنگامہ آرائی کے بعد نسبتاً پُرسکون ماحول میں صحابہؓ نے ان کو دیکھا تو اپنی جلد بازی

پر نادم اور پشیمان ہوئے اور جان لیا کہ ہر معاملہ میں آنحضور ﷺ کا ہی فیصلہ درست اور مناسب اور برمحل تھا۔مثلاً آپؐ کا بلاتردد سہیل بن عمرہ کی یہ بات تسلیم فرمالینا کہ معاہدہ میں محمد رسول اللہ نہیں بلکہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے نعوذباللہ آپؐ کی رسالت کی ہتک یا صداقت میں اشتباہ پیدا کرنے والی بات سمجھی گئی حالانکہ معاملہ برعکس تھا۔ یہ تو آپؐ کی صداقت ہی کی ایک بیّن دلیل تھی۔ یہ مقام رسالت کو گرانے والی بات نہ تھی بلکہ آپؐ کی رسالت کے عزوشرف کو اور بھی بڑھانے والا ایک ایسا واقعہ تھا جسے غیروں کی آنکھ بھی ہمیشہ احترام سے دیکھتی رہے گی۔ یہ آپؐ کے جذبۂ حق وانصاف کی فتح تھی اور لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ (البقرۃ:257) کے لازوال اصول پر عمل پیرا ہونے کی ایک درخشندہ مثال تھی۔

یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جو ہمیشہ بین الاقوامی معاہدات اور بین المذاہب مصالحتوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتا رہے گا۔ آپؐ نے اس دن قیامت تک آنے والی نسلوں کو یہ سبق دیا کہ اگر صلح وامن کا قیام چاہتے ہو تو ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کرتے ہوئے غلط بات کہے بغیر کم سے کم قدر مشترک پر رضامند ہونا سیکھ جاؤ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ (آل عمران:65) کی ایک نئی تفسیر اس روز آپؐ نے ہمیں سکھائی۔

واقعہ ابوجندل

صحابہؓ کی نظر میں معاہدہ کی یہ شرط بھی انتہائی ذلت آمیز تھی کہ جب قریش میں سے کوئی مسلمان ہو کر رسول اللہ کی پناہ میں آجائے تو اس کے خاندان کی طرف سے مطالبہ ہونے پر آنحضورؐ اس بات کے پابند ہوں گے کہ اسے واپس کر دیں لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مرتد ہو کر اہل مکہ کی پناہ میں چلا جائے تو مطالبہ کے باوجود اسے واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔ اس شرط کے تسلیم کئے جانے پر صحابہؓ مرغ بسمل کی طرح تڑپ اُٹھے تھے اور ان کے تازہ زخموں پر نمک پاشی کا بھی عجیب رنگ میں سامان پیدا ہوا۔ عین اس وقت جب یہ شرط ابھی زبانی طور پر طے پا رہی تھی اور دم تحریر میں نہ آئی تھی، نہ ہی معاہدہ پر فریقین کے آخری دستخط ہوئے تھے یہ عجیب واقعہ گزرا کہ حاضرین مجلس نے مکہ کی جانب سے زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پریشان حال ایک قیدی کو گرتے پڑتے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ وہ سخت مفلوک الحال تھا۔ اس کے بدن کا انگ انگ راستے کی صعوبت اور زنجیروں کے بوجھ اور کٹاؤ سے دُکھ رہا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کب سے بھوکا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کتنے عرصہ سے قید تھا اور قید کے دوران اس پر کیا کیا مظالم توڑے گئے؟ وہ سلاسل میں جکڑا ہوا ایک دیوانہ سا تھا جو بڑے کرب اور اضمحلال کے ساتھ چھوٹے چھوٹے صبر آزما قدم اٹھاتا ہوا قریب تر آرہا تھا۔ جب اس کا سراپا روشن اور واضح ہوا تو تعجب سے سب نے دیکھا کہ وہ تو سفیر مکہ سہیل بن عمرو ہی کا اپنا بیٹا تھا جسے خدا جانے کب سے اس جرم کی سزا میں عذاب دیا جارہا تھا کہ وہ اس حقیقت پر ایمان لے آیا کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہیں۔

اس نے آتے ہی اپنا معاملہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور بڑے دکھ کے ساتھ اپنی درد بھری کہانی بیان کر کے آنحضورؐ سے امان چاہی لیکن پیشتر اس کے کہ آنحضورؐ اس کو امان دیتے اس کا باپ بیچ میں حائل ہوگیا اور بڑی سختی سے اس بات پر اصرار کیا کہ معاہدہ کی شرائط کے مطابق آپؐ کو بہرحال اسے واپس لوٹانا ہوگا۔ محدثین اور مؤرخین کے بیان کے مطابق صحابہؓ کی حالت اس وقت ایسی تھی کہ اس نوجوان کے حال زار پر نظر ڈال کر بے حال ہوئے جاتے تھے۔ کفار مکہ کی شقاوت کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ ان کے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی اور نگاہیں آتش برسانے لگیں۔ کسی مظلوم کی ہمدردی میں کم ہی کوئی قوم اتنی برافروختہ ہوئی ہوگی جیسے اس وقت صحابہؓ برافروختہ تھے۔ اس وقت وہ ایک ایسے آتش فشاں کی طرح تھے جو ہر لحہ پھٹ پڑنے کے لئے تیار ہو اور اس کے سینہ سے گہری گڑگڑاہٹ کی آوازیں سنائی دیتی ہوں۔ لیکن محمد مصطفیٰ ﷺ کا قوی ہاتھ اس آتش فشاں کے دہانے پر اس کے ہر جذبۂ بے تاب کو دبائے ہوئے تھا۔ دبے ہوئے غم وغصہ کی وجہ سے جو اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔صحابہؓ کے بدنوں پر ایک زلزلہ سا طاری تھا۔ ان کا بس چلتا اور اختیار ہوتا تو معاہدہ کی نامکمل تحریر کو چاک کر کے بھی ابوجندلؓ کو بچا لیتے۔ وہ صاحب امر ہوتے تو اہل مکہ کے ساتھ جنگ کر کے بھی ابوجندلؓ کو بچا لیتے۔ ان کی کچھ پیش جاتی تو اپنی جانیں دے کر بھی اس ایک مظلوم جان کو روک لیتے لیکن محمد مصطفیٰ ﷺ کے رعب وجلال اور روحانی دبدبہ کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ آیئے اب دیکھیں کہ اس وقت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی کیا حالت تھی؟ تخلیق آدم کا وہ شاہکار ایک کوہ وقار بنا بیٹھا تھا۔غم اور غصہ سے مغلوب ہو کر اس کا بدن نہیں کانپا، اس کے ہونٹ نہیں کپکپائے، دیکھنے والوں نے اس کے جسم پر کوئی لرزہ طاری ہوتے ہوئے نہ دیکھا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ وہ دل زخمی نہ تھا؟ کون گمان کرسکتا ہے کہ آپؐ کا سینہ اس مظلوم کی حالت زار پر ہمدردی اور رحمت کے جذبات سے اُمڈ نہ آیا تھا؟ کون تصور بھی کرسکتا ہے کہ اس دل کا حال جو سارے جہانوں کے لئے رحمت تھا جو رؤف تھا رحیم تھا، جو اپنے غلاموں کے ساتھ ہر دوسرے سے بڑھ کر پیار کرنے والا تھا ویسی شفقت تو کسی نے بھی مادرِ مہربان سے بھی نہ دیکھی تھی جو اس سے دیکھی۔ لیکن آپؐ کے جذبات ہمیشہ اعلیٰ اصولوں کے تابع رہے اور انہیں مرضی خدا سے سرمُو انحراف کی تعلیم نہ تھی۔ پس موجزن جذبات اور اعلیٰ اصولوں کی اس کشمکش میں اصولوں کی فتح ہوئی اور اپنے جذبات کو ایک آہنی عزم کے ساتھ آپؐ نے زیر نگیں رکھا۔

آپؐ نے بڑے تحمل اور بردباری کے ساتھ حالات کا جائزہ لیا اور سہیل بن عمرو سے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ کی تحریر پر دستخط نہیں ہوئے اس لئے اپنے بیٹے کو ساتھ لے جانے پر اصرار نہ کرو۔ اس نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہوگا دستخط ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں یہ شرط ہمارے درمیان تقریباً طے شدہ تھی اس لئے اے محمدؐ! معاہدہ کی پابندی کا یہ آپؐ کا پہلا امتحان ہے۔

دیکھو اس کے منہ سے یہ کیسی احمقانہ بات نکلی! وہ جو تعلیم اخلاق کی الف ب نہ جانتا تھا استاد کامل کا امتحان لینے کی باتیں کر رہا تھا لیکن آنحضورؐ نے اس کی جہالت کو نظرانداز فرماتے ہوئے بڑی نرمی کے ساتھ اسے فرمایا سہیل جانے بھی دو، چھوڑو ان باتوں کو۔ دیکھو اور نہیں تو میری خاطر ہی اتنی سی بات مان جاؤ کہ اپنے بیٹے کو میری امان میں آنے دو۔ لیکن افسوس کہ آنحضور ﷺ کے دل جیتنے والے انداز طلب نے بھی اس کے سینے کے پتھر پر اثر نہ کیا۔ کاش وہ ایسا کرتا تو اس کے دنیا و آخرت سنور جاتے۔ یہ لمحہ تاریخ کے ان معدودے چند لمحات میں سے ایک تھا کہ جب آنحضورؐ نے کسی سے اپنی ذات کا واسطہ دے کسی کے لئے رحم کی اپیل کی ہو لیکن اس نے نہ سمجھنا تھا نہ سمجھا۔ پس آنحضورؐ نے مزید اصرار نہ فرمایا اور اس کے موقف کو تسلیم کر کے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اہل ایمان کے معاہدات کسی تحریر یا دستخط کے پابند نہیں ہوا کرتے بلکہ مومن کے منہ سے جو بات بھی نکل جاتی ہے وہی پتھر کی لکیر اور لازوال اور انمٹ تحریر بن جاتی ہے۔ آنحضورؐ کے لئے جذبات کی ہر قربانی ممکن تھی لیکن یہ ممکن نہ تھا بخدا یہ ممکن نہ تھا کہ معاہدہ شکنی کرتے ہوئے اپنے رحم و شفقت کے جذبات کی تسکین کرتے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ:88-87)

جب یہ بات کھل گئی کہ ابوجندلؓ کو بہرحال اپنے شقی القلب باپ کی حراست میں جانا ہوگا تو اپنے بھیانک مستقبل کے خیال سے اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور ایک ایسی حرکت اس سے سرزد ہوئی کہ عام حالات میں وہ کبھی ایسی حرکت نہ کرسکتا تھا۔ اس نے یہ سمجھا کہ آنحضورؐ تو مجھے پناہ نہیں دیتے ہیں صحابہؓ کا یہ جھرمٹ جن کی آنکھیں میرے لئے اشکبار اور خون آلود ہیں شاید یہی مجھے پناہ دے دیں۔ پس اس نے آخری اپیل آنحضورؐ سے نہیں بلکہ صحابہؓ سے کی اور بڑی گریہ وزاری کے ساتھ ان کی منت کرنے لگا کہ دیکھو! اپنے مظلوم اور لاچار اور ستم رسیدہ بھائی کو بھیڑیوں کے منہ میں واپس نہ بھیجو۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صف اوّل صفحہ:88)

یہ ابوجندلؓ کی کم فہمی تھی۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ صحابہؓ اپنے امام سے آگے بڑھ کر کسی کو بچانے کی کوشش کرتے؟ ان کو تو تعلیم ہی پیچھے چلنے کی تھی؟ ان کی تو زندگی کا انحصار اس بات پر تھا کہ قدم قدم محمد مصطفیٰؐ کے پیچھے پیچھے چلیں۔ پس کوئی ٹس سے مس نہ ہوا، کہیں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ ہاں حضرت علیؓ کا قلم بوجھل دل کے ساتھ پھر حرکت میں آیا اور معاہدہ کی رُکی رُکی تحریر پھر سے چل پڑی۔ تب آنحضورؐ نے ابوجندل کو مخاطب کر کے فرمایا جاؤ اور اللہ پر توکل رکھو وہ تمہارے لئے کوئی نجات کی صورت نکالے گا۔

ابوجندلؓ چلے گئے لیکن ایک دل میں کھٹکنے والی بات پیچھے چھوڑ گئے۔ اس بات کو پڑھ کر آج بھی تعجب ہوتا ہے کہ آخر انہیں کیا سوجھی کہ آنحضورؐ کو چھوڑ کر براہ راست صحابہؓ سے اپیل کرنے لگے؟ لیکن نہیں اس حالت میں یقیناً وہ بے بس اور بے اختیار تھے شاید مصائب کی شدت نے انہیں مختل کر دیا تھا اور وہ بے سوچے سمجھے اس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے جیسے ڈوبتا ہوا تنکوں کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اگر سوچ کی ادنیٰ سی قوت بھی ان میں ہوتی تو وہ یقیناً جان لیتے کہ محمد ﷺ سے بڑھ کر صحابہؓ نے بھلا ان پر کیا رحم کرنا تھا؟ رحم کی تعلیم تو دبستان محمدؐ ہی سے انہوں نے پائی تھی۔ نرمی اور شفقت اور رأفت کے سبق تو خود آنحضورؐ نے ہی انہیں پڑھائے تھے۔ جب تک محمد مصطفیٰ ﷺ کے اعجاز نے انہیں دل نہ عطا کئے ان کے سینوں میں بھی تو ویسے ہی پتھر دفن تھے جیسے اس کے باپ سہیل کے سینہ میں تھا۔ وہ بھول گیا کہ آج ان پتھروں سے جو رحمت کے چشمے پھوٹتے ہوئے اس نے دیکھے وہ آنحضورؐ کی لمس کا ہی تو کرشمہ تھا۔ اسے یاد نہ رہا کہ یہ ہمدردی کے پتلے جنہیں آج وہ اصحاب محمدؐ کی صورت میں دیکھ رہا ہے کل تک وہی صحرائے عرب کے وحشی ہی تو تھے جو اپنی ہی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک قطرہ تک نہ گرتا تھا۔

ابوجندلؓ کی اس نادانی پر کوئی شکوہ نہیں کیونکہ وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے۔ ہاں وہ ابوجندلؓ اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے جو ہاتھوں میں زنجیریں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے گرتے پڑتے واپس مکہ کی طرف جا رہے تھے۔

پس معاہدہ کی یہ شرط کہ قریش میں سے جو بھی مسلمان ہو کر محمد مصطفیٰ ﷺ کی پناہ میں آنا چاہے گا اسے واپس لوٹا دیا جائے گا صحابہؓ کے دل پر سب سے زیادہ شاق گزری اور اسے حد سے زیادہ کمزوری اور ذلت کا نشان سمجھا گیا لیکن بہت جلد آنے والے دنوں نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ شرط صحابہؓ کی کمزوری اور ذلت کا نہیں بلکہ قریش مکہ کی کمزوری اور ذلت کا نشان بننے والی تھی۔ صلح حدیبیہ کو زیادہ دیر نہ گزری کہ مکہ کے ایسے مظلوم مسلمان جنہیں مدینہ میں پناہ مل سکتی تھی ابوبصیرؓ کی سرکردگی میں جمع ہونے لگے۔ ابوجندلؓ بھی انہی نوجوانوں میں سے ایک تھا جس کے لئے محمد مصطفیٰؐ کی دعا سے خدا تعالیٰ نے یہ سبیل نکالی تھی۔ یہ مقام اس شاہراہ عرب پر واقع ہے جو مکہ سے گزر کر شام کی طرف جاتی ہے اور دونوں کے درمیان تجارتی گزرگاہ ہے۔ پس وہ نوجوان جو اسلام قبول کر لیتے وہ بھاگ کر اس مقام پر جمع ہو جاتے اور قریش سے ان کے مظالم کا بدلہ اس طرح لیتے کہ جب موقع پاتے ان کے تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے۔ نَو مسلم مہاجرین کا یہ گروہ قریش مکہ کے لئے ایک مصیبت بن گیا کہ ان کے دل کا چین اُٹھ گیا اور راستے کا امن برباد ہو گیا۔ مسلمانوں کے لئے تو حدیبیہ کی صلح حقیقۃً امن کا پیغام لائی لیکن قریش مکہ کے لئے بدامنی اور بے چینی کا ایک در کھول دیا جو دن بدن اور کشادہ ہوتا جا رہا تھا۔ پس وہی شرط جسے صحابہؓ اپنی ذلت کا نشان سمجھے بیٹھے تھے دیکھتے دیکھتے کفار کی ذلت کا نشان بن گئی اور حد درجہ ذلیل ہو کر اور گر کر خود انہی کو آنحضورؐ سے یہ درخواست کرنی پڑی کہ خدا کے لئے معاہدہ کی اس شرط کو منسوخ سمجھیں اور اپنے نَو مسلموں کو اپنے پاس بلالیں۔ پس اس پہلو سے بھی صلح حدیبیہ آنحضورؐ کے لئے محض ایک صلح نہیں بلکہ فتح مبین ثابت ہوئی۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3 نصف اوّل صفحہ:105-102)

آخری بات

واقعات حدیبیہ کا بغور جائزہ لیں تو آخری بات یہی نتھر کر سامنے آتی ہے کہ اگرچہ حدیبیہ کی جنگ تیروں اور تلواروں اور نیزوں اور برچھیوں سے نہیں لڑی گئی اور انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اس میں نہیں بہایا گیا تاہم یہ ایک جنگ تھی جو بڑی شدت اور زور کے ساتھ انسانوں کے سینوں میں لڑی گئی۔ یہ جنگ نفس اور ضبط نفس کی جنگ تھی۔ یہ جنگ رضائے خویش اور مرضی خدا کی جنگ تھی۔ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کا حکم جاری تھا۔ ہر طرف آرزوؤں کے سر کاٹے جا رہے تھے اور امنگوں کے سینے پھاڑے جا رہے تھے۔ بلاشبہ نفس انسانی کا اس موقع پر ایسا قتال ہوا کہ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ لیکن خدا کی قسم! اس فتح مبین کا سہرا تمام تر محمد مصطفیٰؐ کے سر تھا۔ یہ آپؐ ہی تھے جنہوں نے بارہا گرتے ہوئے صحابہؓ کو سنبھالا اور لڑکھڑاتے ہوئے جسموں کو سہارا دیا۔ آپؐ ہی تھے جنہوں نے ان کے اُکھڑتے ہوئے قدموں کو ثبات بخشا اور گرتی ہوئی ہمتوں کو اُبھارا، ہاں یہ آپؐ ہی تھے۔ آپؐ نے دلوں کو ڈھارس دی تو دل سنبھلے، آپؐ نے حوصلہ دلایا تو حوصلے پیدا ہوئے، آپؐ نے ان کی روحوں کو ہلاکت سے بچایا اور ان کے ایمانوں کو زندگی بخشی۔ وہ غلام جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم تیرے آگے بھی لڑیں گے، تیرے پیچھے بھی لڑیں گے، تیرے دائیں بھی لڑیں گے اور تیرے بائیں بھی لڑیں گے۔ یہ کیسا دن طلوع ہوا کہ آج خدا کا وہی برگزیدہ رسول ﷺ اُن کے آگے بھی لڑ رہا تھا اور ان کے پیچھے بھی لڑ رہا تھا، ان کے دائیں بھی لڑ رہا تھا اور ان کے بائیں بھی لڑ رہا تھا اور شیطانی وساوس اور تاریک گمانوں کے چوطرفہ حملہ سے ان کی حفاظت فرما رہا تھا۔

بلاشبہ یہ آنحضورؐ کی رفعت شان اور عظمت کردار کا ایک عظیم معجزہ تھا کہ ایک غیر متزلزل عزم اور آہنی ارادہ کے ساتھ ان کے نفسوں کی باگیں تھامے ہوئے تھے۔

میدان اخلاق کا یہ بے مثل شہسوار اس روز ایک نئی شان اور نئی آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ پس تعجب نہیں کہ رب المجد و العُلیٰ نے آپؐ کو عظیم الشان خلعتوں سے نوازا۔ اکرام پر اکرام کیا اور انعام پر انعام فرمایا اور پیار کا ایسا اظہار کیا کہ کسی آقا نے کسی پیارے غلام سے کیا ہوگا۔ وہ آپؐ سے ایسا راضی ہوا کہ آپؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور آپؐ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا۔

پھر سب سے اوّل فتح مبین کی خوشخبری کے لئے آپؐ ہی کو چنا اور اس خطاب میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا یعنی اے ہمارے بندے! ہم نے یہ فتح مبین تجھے عطا کی ہے پس دوسرے سب جشن منانے والے تیرے ہی واسطہ اور تیرے ہی وسیلہ سے اس میں شریک ہوں گے۔

پھر یہ خوشخبری بھی سنائی کہ وہ حج جو دنیا کی نظر نے تجھے کرتے ہوئے نہیں دیکھا خدا کی نظر نے دیکھا اور اسے قبول کیا اور اس شان سے قبول کیا کہ کبھی کوئی حج ایسا قبول نہیں ہوا نہ آئندہ ہوگا۔ قبولیت حج کے نشان کے طور پر دوسرے سب حجاج کے تو پچھلے سب گناہ بخشے جاتے ہیں لیکن خدا نے آپؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

یعنی اے ہمارے بندے! ہم نے تیری پچھلی لغزشیں بھی معاف فرما دیں اور اگلی لغزشیں بھی معاف فرما دیں۔ پس رب العزت کی نگاہ میں تیرا ماضی بھی پاک اور بے داغ ٹھہرا اور تیرا مستقبل بھی پاک اور بے داغ ٹھہرا۔ قیامت تک ظاہر بین آنکھوں کے لئے اس میں یہ سبق ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رضائے باری تعالیٰ کی خاطر نہ کئے ہوئے حج بھی کئے ہوئے ہر دوسرے حج پر سبقت لے جاتے ہیں۔ چشم بصیرت سے ذرا دیکھو تو سہی کہ آغاز بیت اللہ سے لے کر اس دنیا کے انجام تک کروڑوں اربوں انسانوں نے حج کیا اور حج کرتے رہیں گے۔ حجاج کے بڑے بڑے قافلے طواف کرتے ہوئے اللہ کے گھر کے گرد گھومے اور گھومتے رہیں گے لیکن خدا کی قسم! کسی حج کرنے والے کا ایسا حج قبول نہیں ہوا نہ ہوگا جیسا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا وہ حج جو بظاہر آپؐ نہ کر سکے۔ یہ وہ حج تھا جو مکہ میں نہیں بلکہ حدیبیہ کے میدان میں کیا گیا۔ یہ حج وہ تھا جس کے دوران بیت اللہ مکہ میں نہیں بلکہ حدیبیہ کی وادی میں دکھائی دیا۔ یہ وہ دن تھا جب رب کعبہ اپنی تمام شان اور تمام رعنائیوں کے ساتھ اس مقام پر جلوہ نما ہوا جہاں محمدؐ اور اصحاب محمدؐ خیمہ زن تھے۔ ہاں یہ وہی دن تھا جب عرش خداوندی اس زمین پر اُتر آیا جو آسمانوں سے بلند تر اور روشن تر تھی۔ جہاں قلب مصطفویؐ نورِ ازل کی تخت گاہ بنا ہوا تھا۔ جہاں روح محمدؐ عشق کا یہ سرمدی نغمہ الاپتے ہوئے طواف کر رہی تھی۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ

(خطابات طاہر جلد اوّل صفحہ 440-409، ماہنامہ خالد اپریل 1982ء)

جنگ بھی تھی صلح کی نیت سے

جس نے نفس دُوں کو ہمت کر کے زیر پا کیا
چیز کیا ہیں اُس کے آگے رُستم و اسفندیار

گالیاں سُن کر دعا دو پا کے دُکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ اِنکسار

تم نہ گھبراؤ اگر وہ گالیاں دیں ہر گھڑی
چھوڑ دو اُن کو کہ چھپوائیں وہ ایسے اشتہار

چُپ رہو تم دیکھ کر اُن کے رسالوں میں سِتم
دم نہ مارو گر وہ ماریں اور کر دیں حالِ زار

دیکھ کر لوگوں کا جوش و غیظ مت کچھ غم کرو
شدتِ گرمی کا ہے محتاج بارانِ بہار

اِفترا اُن کی نگاہوں میں ہمارا کام ہے
یہ خیال، اللہ اکبر، کس قدر ہے نابکار

خیر خواہی میں جہاں کی خوں کیا ہم نے جگر
جنگ بھی تھی صلح کی نیت سے اور کیں سے فرار

(انتخاب از درثمین۔ مُناجات اور تبلیغ حق)

بقیہ: خطبہ جمعہ از صفحہ 11

ماتحتوں سے حسنِ سلوک کا یہ وہ معیار ہے جو آپ ﷺ نے مقرر فرمایا۔

یہاں یہ بھی واضح کر دوں کہ آجکل غلامی نہیں ہے اور ایک مومن ملازم سے بھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھی اس کے ذمہ جو فرائض ہیں ان کا بھی حق ادا کرنے والا ہو۔صرف اس لئے کہ درگزر کا حکم ہے اس لئے ہر کام خراب کرتا جائے یہ بھی غلط چیز ہے۔جس طرح اور جگہوں پر یہ بھی حکم ہے کہ جو کام کسی کے ذمہ کیا گیا ہے اس کو ادا کرنے کا بھی پورا حق ادا کرنا چاہئے۔ پس دونوں طرف یہ حکم ہے۔ جہاں مالک کو ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض نہ ہو، درگزر کرے وہاں ملازم کے لئے بھی یہی ہے کہ اپنے ذمہ جو ذمہ داری ہے اس کا بھی پورا حق ادا کرے۔

عفو اور درگذر کے بارے میں ہمیں نصیحت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''جماعت کو تیار کرنے سے غرض یہی ہے کہ زبان، کان، آنکھ اور ہر ایک عضو میں تقویٰ سرایت کر جاوے۔ تقویٰ کا نور اس کے اندر اور باہر ہو۔ اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ اور بے جا غصہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو''۔ فرمایا کہ ''میں نے دیکھا ہے کہ جماعت کے اکثر لوگوں میں غصّہ کا نقص اب تک موجود ہے تھوڑی تھوڑی سی بات پر کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جماعت سے کچھ حصہ نہیں ہوتا''۔فرمایا ''اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں کیا دقت پیش آتی ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو دوسرا چپ کر رہے اور اس کا جواب نہ دے۔ ہر ایک جماعت کی اصلاح اوّل اخلاق سے شروع ہوا کرتی ہے۔ چاہئے کہ ابتدا میں صبر سے تربیت میں ترقی کرے اور سب سے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اگر کوئی بدگوئی کرے تو اس کے لئے درد دل سے دعا کرے''۔ (صبر سے پہلے اپنی تربیت کرو اور دوسرے کی تربیت بھی کرو اور اس کے لئے ذریعہ یہ ہے کہ دعا کرو) ''کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیوے۔ اور دل میں کینہ کو ہرگز نہ بڑھاوے''۔فرمایا ''خدا تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حلم اور صبر اور عفو جو کہ عمدہ صفات ہیں ان کی جگہ درندگی ہو۔ اگر تم ان صفات حسنہ میں ترقی کرو گے تو بہت جلد خدا تک پہنچ جاؤ گے''۔فرمایا ''یہ سچ ہے کہ سب انسان ایک مزاج کے نہیں ہوتے''۔(طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔) فرمایا ''اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے۔ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل:85)۔ (یعنی ہر ایک اپنی جبلّت کے مطابق عمل کرتا ہے۔) لیکن آپ فرماتے ہیں کہ ''بعض آدمی ایک قسم کے اخلاق میں اگر عمدہ ہیں تو دوسری قسم میں کمزور۔ اگر ایک خلق کا رنگ اچھا ہے تو دوسرے کا برا''۔فرمایا ''لیکن تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصلاح ناممکن ہے''۔

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 128-127۔ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

طبیعتیں ہر ایک کی اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں۔ بعضوں کے بعض اخلاق بہت اچھے ہیں۔ اس میں ترقی ہے لیکن دوسرے میں کمزوری ہے لیکن فرمایا اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اصلاح ناممکن ہو جائے اور تمام اخلاق نہ اپنائے جائیں۔ پس بیشک انسان کی طبیعتیں مختلف ہیں۔ جن میں کمزوریاں ہیں ان میں کچھ اچھائیاں بھی ہیں۔ یہ نہیں کہ ہر کسی میں صرف کمزوریاں ہی کمزوریاں ہیں اور اچھائی کوئی نہیں۔ اچھائیاں بھی ہیں کمزوریاں بھی ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم سے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلتے ہوئے ہمیں اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور وہ اعلیٰ اخلاق اپنانے چاہئیں جو ایک حقیقی مومن کا معیار ہیں۔ کمزوریاں دور کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہنا چاہئے اور اس بات کی کوشش ہونی چاہئے کہ ہم اپنے ماحول کو پرامن بنانے کی کوشش کریں اور اس کے لئے جو اصول آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو یا اپنے لئے چاہتے ہو وہ اپنے بھائی کے لئے بھی چاہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان معیاروں کو حاصل کرنے والے ہوں۔

(الفضل انٹرنیشنل 14/اکتوبر 2016ء۔خطبہ جمعہ 23/ستمبر 2016ء)

بہتان پر صبر

صبر ہر رنگ میں اچھا ہے پر اے مردِ عقیل
غلط الزام پہ ہو صبر تو ہے صبرِ جمیل

لوگ سمجھیں گے تو سمجھیں یہ خطا کا ہے ثبوت
تم سمجھ لو کہ ہے سو بات کی اک بات ''سکوت''

شعلہ جو دل میں بھڑکتا ہے دبا دو اس کو
جھوٹ پر آگ جو لگتی ہے بجھا دو اس کو

ضبط کی شان کچھ اس طرح نمایاں ہو جائے
آپ سے آپ ہی دشمن بھی ہراساں ہو جائے

آج جو تلخ ہے بے شک وہی کل شیریں ہے
سچ کسی نے ہے کہا ''صبر کا پھل شیریں ہے''

کیا یہ بہتر نہیں مولا ترا ناصر ہو جائے
نامرادیٔ عدو خلق پہ ظاہر ہو جائے

صبر کر صبر کہ اللہ کی نصرت آئے
تیری کچلی ہوئی غیرت پہ وہ غیرت کھائے

وہ لڑے تیرے لئے اور تو آزاد رہے
خوب نکتہ ہے یہ اللہ کرے یاد رہے

لبِ خاموش کی خاطر ہی وہ لب کھولتا ہے
جب نہیں بولتا بندہ تو خدا بولتا ہے

(درّعدن صفحہ 74)

پیغام صلح

نوید حمید

اس کتاب کا جرمن ترجمہ کرنے کی سعادت مکرم عبدالرفیق احمد صاحب حال صدر قضاء بورڈ جرمنی کے حصہ میں آئی، فجزاہ اللہ تعالیٰ

کتاب پیغام صلح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری تصنیف ہے جو آپ نے اپنی وفات سے دو دن قبل 24 مئی 1908ء کو لاہور میں تصنیف فرمائی۔ گو یہ تقریباً تیس صفحات پر مشتمل ایک مختصر سا کتابچہ ہے لیکن اس میں بیان کیا گیا مضمون دنیائے مذہب کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں دو بڑے مذاہب کے پیروکار ہیں یعنی مسلمان اور ہندو۔ اور اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ یہ دونوں قومیں اس ملک میں ایک دوسرے کے ساتھ امن اور بھائی چارہ کے ساتھ رہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں مذاہب کے پیروکار ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا احترام کریں۔ حضورؑ فرماتے ہیں کہ مسلمان رام جی اور سری کرشن کو بزرگ اور خدا کی طرف سے سمجھتے ہوئے ان کی عزت کرتے ہیں نیز ہندوؤں کی مقدس کتاب وید کا بھی احترام کرتے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کی طرف سے اس طرح کی رواداری کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا اور تنگ نظری کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے بالخصوص آریہ سماج کی طرف سے۔ حضورؑ فرماتے ہیں کہ اگر ہندو حضرات بھی اسلام اور بانی اسلام کا احترام کریں تو ہندوستان میں مذہبی امن قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں حضور اقدسؑ نے ایک معاہدہ کی بھی تجویز پیش کی جس کے مطابق اگر ہندو اور آریہ ایسے اقرار نامہ پر دستخط کرنے کے لئے تیار ہوں کہ ہم حضرت محمد مصطفی رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور نبوت پر ایمان لاتے ہیں اور آپؐ کو سچا نبی اور رسول سمجھتے ہیں اور آئندہ توہین اور تکذیب چھوڑ دیں تو ہم بھی اس اقرار نامہ پر دستخط کرنے کے لئے تیار ہیں کہ احمدی سلسلہ کے لوگ ہمیشہ وید کے مصدق ہوں گے اور اس کے رشیوں کا تعظیم اور محبت سے نام لیں گے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں پیغام صلح صفحہ 27 طبع اوّل)

حضورؑ نے حضرت بابا نانک صاحبؒ کے بارے میں لکھا کہ ان کی بھی یہی کوشش تھی کسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد قائم ہو جائے لیکن ان کو بھی ہندوؤں کی طرف سے تکالیف کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ بابا نانک اسلام کی تعریف کرتے تھے۔ لیکن اگر اہل ہندوستان بابا نانک کی تعلیمات پر عمل کرتے تو ہندو مسلم اختلافات ختم ہو جاتے۔ آپ علیہ السلام بڑے درد اور تڑپ کے ساتھ نصیحت فرماتے ہیں:

”اے عزیزو!! قدیم تجربہ اور بار بار کی آزمائش نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ مختلف قوموں کے نبیوں اور رسولوں کو توہین سے یاد کرنا اور اُن کو گالیاں دینا ایک ایسی زہر ہے کہ نہ صرف انجام کار جسم کو ہلاک کرتی ہے بلکہ رُوح کو بھی ہلاک کر کے دین اور دُنیا دونوں کو تباہ کرتی ہے۔ وہ ملک آرام سے زندگی بسر نہیں کرسکتا جس کے باشندے ایک دوسرے کے رہبرِ دین کی عیب شماری اور ازالہ حیثیت عرفی میں مشغول ہیں۔ اور ان قوموں میں ہرگز سچا اتفاق نہیں ہوسکتا جن میں سے ایک قوم یا دونوں ایک دوسرے کے نبی یا رشی اور اوتار کو بدی یا بدزبانی کے ساتھ یاد کرتے رہتے ہیں۔ اپنے نبی یا پیشوا کی ہتک سن کر کس کو جوش نہیں آتا۔ خاص کر مسلمان ایک ایسی قوم ہے کہ وہ اگرچہ اپنے نبی کو خدا یا خدا کا بیٹا تو نہیں بناتی مگر آنجنابؐ کو ان تمام برگزیدہ انسانوں سے بزرگ تر جانتے ہیں کہ جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے پس ایک سچے مسلمان سے صلح کرنا کسی حالت میں بجز اس صورت کے ممکن نہیں کہ اُن کے پاک نبی کی نسبت جب گفتگو ہو تو بجز تعظیم اور پاک الفاظ کے یاد نہ کیا جائے۔ اور ہم لوگ دوسری قوموں کے نبیوں کی نسبت ہرگز بدزبانی نہیں کرتے“۔

(پیغام صلح 452 تا 453)

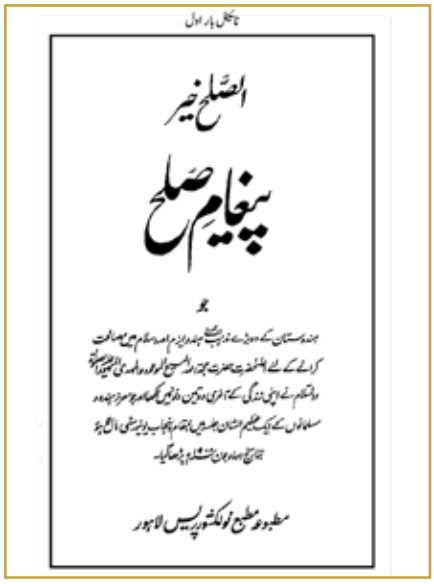

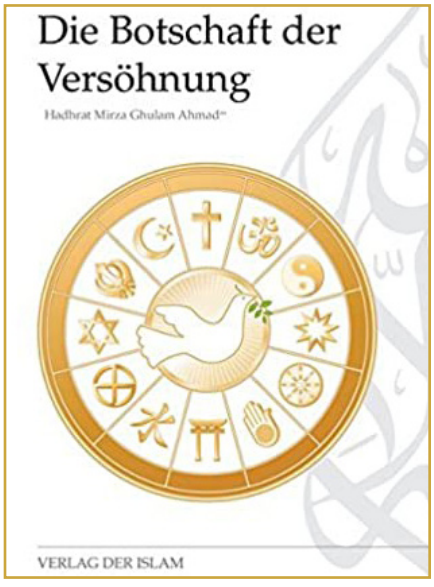

یہ رسالہ حضور اقدسؑ کی وفات کے بعد شائع ہوا لیکن اس میں دیے گئے پیغام صلح کو ملکی اور انگریزی پریس میں بہت سراہا گیا اور اسے وقت کی عین ضرورت قرار دیا گیا۔ 21 جون 1908ء کو یہ مضمون پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ہال میں ایک بڑے اجلاس میں بھی پڑھ کر سنایا گیا۔

تاریخ ہند کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہندو مسلم اتحاد کی تحریک ہندوستان میں چلی اور درحقیقت قائداعظم محمد علی جناح کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر قرار دیا گیا کیونکہ اس سلسلہ میں آپ کی مساعی قابل قدر تھیں۔ (روزنامہ ڈان 5 اگست 2020ء)

اس میں شک نہیں کہ اگر اہل ہندوستان آج بھی اس کتاب کے مضامین پر عمل کریں تو ان کے ملک کی صورت حال یکسر بدل سکتی ہے اور بے امنی اور بے چینی کو ختم کر کے امن اور بھائی چارگی پر مبنی معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

قسط دوم

اپنی کہانی
اپنی زبانی

ایک مخلص و باوفا خادمِ دین

مکرم محمد امداد الرحمٰن صدیقی صاحب مربی سلسلہ حال بنگلہ دیش کی ایمان افروز باتیں

خدا تعالیٰ انسان سے کلام کرتا ہے

خاکسار احمدی ہونے کے بعد چھپ چھپ کر احمدیت کی کتابیں پڑھتا تھا۔ احمدیوں نے کہا تھا کہ جس نے کتاب کشتی نوح نہیں پڑھی وہ ابھی احمدی نہیں ہوا۔ کشتی نوح پڑھنے لگا۔ مجھے بہت حیرانی ہوئی، بہت تعجب ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا کہ خدا انسان سے کلام کرتا ہے۔ کسی بھی انسان سے خدا کلام کرسکتا ہے۔ مجھے یاد ہے جب پڑھ رہا تھا تو اس دن سکول نہیں گیا تھا۔ جب پڑھا تو فوراً اٹھ کھڑا ہوا کہ ابھی سکول جاکر مولوی صاحب کو دکھاؤں کہ یہ کیا لکھا ہے۔ گھر سے نکلا بھی۔ پھر خیال آیا کہ پتہ نہیں مولوی صاحب کیا کہیں گے۔ پھر سوچا کہ میں کسی کو نہ بتاؤں۔ بہت فکرمند ہوا کہ لوگ کیوں خدا سے بات کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ اہم بات کیا ہوسکتی ہے کہ خدا بندوں سے کلام کرتا ہے۔ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ خدا سے کلام کرنے کی کوشش کرے۔ آج بھی میں تعجب کرتا ہوں کہ لوگ کیوں خدا سے کلام کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

آہستہ آہستہ سوچتا رہا کہ خدا سے بات کرنا تو بڑی بات ہے۔ تیاری کرنی ہوگی کیا بات کروں۔ ہر روز تو خدا بات نہیں کرے گا۔ کوئی اہم ترین بات خدا سے کرلینی چاہیئے۔ جب سب نے کہا کہ ربوہ جاکر کامیابی بہت مشکل ہے۔ اگر ناکام رہا تو زندگی برباد ہوسکتی ہے۔ تو میں نے سوچا کہ خدا سے کیوں نہ پوچھ لیا جائے کہ ربوہ جاؤں یا نہ جاؤں۔ میٹرک کا امتحان دے کر فارغ تھا۔

اب خدا سے بات کرنی ہے، مجھے کیا کرنا ہوگا۔ کسی سے میں نے نہیں پوچھا۔ اپنی طرف سے سوچ لیا کہ روزے رکھنے چاہئیں۔ چنانچہ روزے رکھنا شروع کئے اور رات کو بالکل صاف ستھرا بستر اور خوشبو کا استعمال کیا۔ دو روزے رکھ لئے تیسرے روزے کیلئے سحری کے وقت جب جاگ آئی تو توجہ ہوئی کہ جب میری نیند ٹوٹ رہی تھی تو میری زبان پر یہ آیت تھی أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ مجھے یہ آیت یاد نہیں تھی۔ کسی سے سنا تھا کہ سورۃ البقرہ کا آخری رکوع پڑھ کر رات کو سونا ہوتا ہے۔ تو ان دنوں آخری رکوع یاد کرنا شروع کر دیا۔ سحری کھا کر روزہ رکھ لیا اور صبح قرآن شریف نکال کر یہ آیت دیکھی اور ترجمہ دیکھا تو ترجمہ یہ تھا ”تو ہمارا ولی ہے، پس کافر قوم کے خلاف ہماری مدد کر“۔ اس سے میں نے نتیجہ اخذ کیا کہ غالباً اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ میں مبلغ بن سکوں گا۔ اگرچہ میں ڈرنے لگا کہ میں نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ درست ہے یا نہیں تاہم میں نے ارادہ کرلیا کہ ربوہ جانے کی کوشش ضرور کروں گا۔ اتنے میں میٹرک کا نتیجہ آیا اور اچھے نمبروں سے کامیاب ہوگیا، الحمدللہ۔

محترم مولوی محمد صاحب امیر جماعت مشرقی پاکستان کو لکھتا رہا۔ آخر ایک روز ربوہ سے اردو زبان کا ایک فارم بذریعہ ڈاک میرے نام کافوریہ جماعت کے پتہ پر موصول ہوا۔ قسمت اچھی تھی اس زمانہ میں کافوریہ جماعت میں مولوی حمزہ امیر علی صاحب معلّم متعیّن تھے۔ وہ ربوہ سے تعلیم و تربیت لے کر آئے تھے۔ اردو سمجھتے تھے۔ انہوں نے فارم پُر کر کے ربوہ تحریک جدید کو بھجوا دیا۔

اب جواب کا شدّت سے انتظار کرنے لگا مگر جواب نہیں آیا۔ میرے والدین، بھائی بار بار پوچھنے لگے کہ کالج میں داخل ہونے میں کیوں دیر کر رہے ہو۔ میرے دوست بہت تنگ کرنے لگے کہ بتاؤ کس کالج میں داخلہ لے رہے ہو۔

میں نے ربوہ جانے کے بارہ میں کسی کو نہیں بتایا تھا۔ کیونکہ اگر والدین اور بھائیوں کو معلوم ہوجاتا تو جانے نہ دیتے۔ اس لئے میں بتا نہیں سکتا تھا کہ کالج میں داخل ہونے میں کیوں دیر کر رہا ہوں۔ ہم غریب ضرور تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار اور ہم بہن بھائیوں کی اچھے اخلاق کی وجہ سے نیک نامی تھی۔ والد صاحب کا نہایت سخت حکم تھا کہ بدنامی کی کوئی بات ہم سے سرزد نہ ہو۔

سب مجھے تلاش کر رہے تھے مگر میں چھپتا تھا کہ کالج میں داخلہ کا پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا۔ ربوہ جانے کی بات زبان پر نہیں لاسکتا تھا۔ ایک آسانی یہ تھی کہ میں تو اپنے گاؤں سے دور lodging house میں رہتا تھا۔ بعد دوپہر سب لوگ آڑانی بازار میں جاتے تھے۔ ہم بھی ہر روز جاتے تھے۔ اب جانا بند کر دیا تھا۔ کھیتوں میں یا اِدھر اُدھر گاؤں میں چلتے پھرتے تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ کالج میں داخلہ لینے والا ہوں۔

نمازیں بہت پڑھتا تھا، دعائیں بہت کرتا تھا۔ کبھی کبھی تو رات ایک بجے یا دو بجے اندھیرے میں مسجد میں جا کر نمازیں پڑھتا رہا۔ اس علاقہ میں بجلی نہیں تھی۔ مٹی کے تیل کا دِیا جلاتے تھے۔ مسجد گاؤں سے باہر تھی۔ ایک روز کسی نے اتنی گہری رات کو مسجد میں روشنی دیکھ کر گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کر کے مسجد کا گھیراؤ کر لیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ کوئی چور ہوگا۔ مسجد کے اندر آ کر دیکھا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں تو سب حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہے۔ نوجوان ہے۔ اتنی رات کو مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کے بعد مسجد جانا بند کر دیا۔

آخر کالج میں داخل ہونا پڑا کیونکہ داخلہ کی آخری تاریخ آ گئی تھی۔ چنانچہ پانچ روز کالج میں کلاس لی تھی۔ اس کے بعد ربوہ جانے کیلئے call آ گئی۔

نئی جماعت کا قیام

ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ میں عام طور پر دوستوں کے سوالات کے ڈر سے شہر میں نہیں آتا تھا۔ ایک روز کسی وجہ سے شہر میں آنا ہوا۔ اسی روز میرے پرائمری سکول کے زمانہ کے دوست جِنّات علی صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ وہ کہنے لگے کہ سنا ہے تو پاگل ہوگیا ہے۔ کسی سے ملتا نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر میں کہوں پاگل نہیں ہوں تو تجھے تسلی نہیں ہوگی۔ تو سمجھ لے کہ میں پاگل ہوگیا ہوں۔ تو ایسا کر کہ مجھے بتا آئندہ کب بازار آئے گا۔ میں تجھے کچھ کتابیں دوں گا۔ تو چھپا کر رکھنا اور چھپ چھپ کر پڑھنا۔ چنانچہ اگلے روز میرے پاس جماعت کی جو کتابیں تھیں سب میں نے اس کو دے دیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ 1975ء میں میرے پرائمری سکول کے کلاس فیلوز میں سے 8 (آٹھ) نے احمدیت قبول کی اور علاقہ Bagha ضلع Rajshahi میں نئی جماعت قائم ہوگئی، الحمدللہ۔ جماعت کا نام طاہر آباد رکھا گیا۔ 1976ء میں ایک معلم مولوی عبدالمنان صاحب نے مجھے خط لکھا کہ یہاں آپ کے دوستوں نے جماعت قائم کی ہے۔ مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ حضور انورؒ کو لکھا، حضورؒ بھی بہت خوش ہوئے۔

ربوہ جانے کا پختہ عزم

میں نے ایک خطرناک قدم اٹھالیا۔ دل میں خیال آیا کہ خدا کی خاطر نفس کو مشکل میں ڈالنا چاہیئے۔ طارق بن زیاد کی طرح کشتیاں جلادینی چاہئیں۔ میں نے ربوہ جانے کا ارادہ چھپا کر رکھا تھا کیونکہ اگر والدین کو معلوم ہو جاتا تو وہ مجھے رسّی سے باندھ دیتے تا کہ ربوہ نہ جاسکوں۔ میں نے یہ کیا کہ ایک پیکٹ پوسٹ کارڈز کا خریدا۔ اس زمانہ میں پچیس پوسٹ کارڈز کا پیکٹ ہوتا تھا۔ سب عزیز رشتہ داروں کو خط لکھ دیا کہ میں احمدیت کی اعلیٰ تعلیم کے لئے پاکستان جارہا ہوں۔ تمام رشتہ داروں کے نام خط پوسٹ کر دیا تا کہ دیکھوں اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ میرے لئے روک بناتا ہے یا ربوہ جانے کی راہ کھولتا ہے۔ اس سے میرے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ لیکن کسی نے کوئی روک پیدا نہیں کی۔ غالباً والدین اور رشتہ داروں سب نے سوچ لیا ہوگا کہ میں گمراہ ہوگیا ہوں۔ اب روک کر کیا کرنا ہے۔ ویسے تو بچپن سے ہمارے گھر میں آزادی تھی۔ کوئی جو اچھا کام کرے تو ٹھیک ہے۔ کسی نے غلط کام نہیں کرنا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ تھوڑے دنوں تک ربوہ جانے کی غرض سے ڈھاکہ جانے کیلئے خط موصول ہوگیا۔ الحمدللہ۔ اس سے اور ایمان مضبوط ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے دعا سن لی اور ربوہ جانے کا موقع بنا دیا۔

اب پھر ربوہ جانے کی باتی باتیں کرتے ہیں۔ ربوہ میں خود فارم پُر کر کے بھجوا دیا تھا۔ مگر جواب کا انتظار تھا۔ میں اکثر کافوریہ مسجد جاتا مگر جواب نہ ملتا تھا۔ اڑانی سے کافوریہ قریباً 8 کلومیٹر تھا۔ سارا راستہ چاول کے کھیت تھے جن میں گہرا پانی ہوتا۔ چنانچہ پیدل چل کر کافوریہ جانا مشکل تھا مگر میں پھر بھی جاتا تھا۔

ایک روز ہمارے معلّم حمزہ امیر علی صاحب نے مجھے بتایا کہ ربوہ میں مجلس انصاراللہ کا سالانہ اجتماع ہو رہا ہے۔ مولوی محمد صاحب ربوہ گئے ہوئے ہیں۔ آپ ربوہ میں امیر صاحب کے نام خط لکھ دیں۔ چنانچہ میں نے خط لکھا کہ امیر صاحب معلوم کریں کیا میرا ربوہ جانا منظور کرتے ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا امیر صاحب نے ربوہ سے ہی خط لکھا کہ "آپ 14 نومبر 1968ء کو ڈھاکہ پہنچ جائیں۔ ربوہ جانے کی تیاری کر کے آئیں۔" بس پھر کیا تھا، فوراً ایک چھوٹے سے سوٹ کیس میں کپڑے لئے اور اڑانی سے کافوریہ مسجد میں پہنچ گیا۔ اتنی جلدی کیوں کرنا پڑی۔ ڈر تھا کہ کوئی روک نہ بن جائے کیونکہ بہت سی مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

میں کافوریہ تو پہنچ گیا مگر جیب خالی تھی کیونکہ کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ اب ڈھاکہ جانے کیلئے روپیہ نہیں تھا۔ آج شاید کوئی سمجھ نہ سکے گا کہ کسی احمدی کے پاس روپیہ نہیں تھا۔ مگر ان کے اخلاص اور مجھ سے ہمدردی میں کچھ کمی نہیں تھی مگر وہ مجبور تھے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ لوگوں کے پاس نقد روپیہ نہیں ہوتا تھا۔ کسی کو نقد روپے کی ضرورت ہوتی تو وہ گھر سے دھان یعنی چاول یا کوئی چیز فروخت کر کے ضرورت پوری کرتا تھا۔ سب احمدی بھائی دعائیں کرنے لگے اور میں بھی رو رو کر دعائیں کرنے لگا کہ روپیہ کا کوئی انتظام ہو جائے۔ ایک روز اس جماعت کے سب سے معمّر آدمی، صدر جماعت آثرالدین صاحب کے والد صاحب نے کہا کہ مسجد میں مسجد فنڈ کا بکس ہے۔ بکس میں لوگ روپیہ ڈالتے ہیں۔ اس کا تالا کھولا جائے۔ امدادالرحمان کے ڈھاکہ جانے کے لئے پیسے مل جائیں گے۔ ایسا ہی ہوا بکس میں سترہ روپے (Rs.17) مل گئے۔ وہ روپے لے کر خاکسار پوچھتے پوچھتے ڈھاکہ پہنچ گیا۔ کافوریہ سے پیدل مین روڈ تک۔ پھر بس پر ناٹور۔ ناٹور سے ٹرین یا بس (یاد نہیں) کے ذریعہ سراج گنج گھاٹ پہنچ گیا اور اس کے بعد پھر فیری کے ذریعہ دریا Jamuna کے پار جا کر بذریعہ ٹرین ڈھاکہ، 4 بکشی بازار روڈ، دارالتبلیغ احمدیہ سینٹر پہنچ گیا۔ قریباً سولہ (16) روپے خرچ ہوئے۔ الحمدللہ۔

میں ڈرتا تھا کہ امیر صاحب کوئی امتحان لیں گے۔ لیکن خدا نے فضل فرمایا۔ امیر صاحب نے کچھ نہیں پوچھا۔ رہنے کا اور قریب ہوٹل میں کھانے کا انتظام کیا۔ امیر صاحب بہت شریف النفس انسان تھے۔ آپ سوچ

سکتے ہیں کہ کیا خرچ ہوتا تھا؟ ایک وقت کا کھانا صرف ایک یا ڈیڑھ روپے کا تھا۔ اچھا تسلی بخش مناسب کھانا ہوتا۔ میرے ربوہ جانے کیلئے امیر صاحب نے 300 روپے منظور فرمائے۔ ڈھاکہ سے لاہور پی-آئی-اے پاکستان ائیر لائنز کی فلائٹ کا کرایہ 250 روپے اور لاہور سے ربوہ بذریعہ ٹرین ربوہ جانے کیلئے اور دیگر ضروریات کے لئے 50 روپے۔ روپے ملنے پر صابن خرید کر جامہ پاجامہ وغیرہ دھولیا اور تیاری ہوگئی، الحمدللہ۔ ڈھاکہ کی مسجد کیا تھی۔ ایک بڑے کمرے کے ساتھ ٹین شیڈ برآمدہ کی طرح اور بس۔ جمعہ پر میرا اندازہ ہے کہ حاضری سو (100) سے کم ہوتی تھی۔

ربوہ کے لئے روانگی

مجھے بتایا گیا کہ سوموار کو میری لاہور کے لیے فلائٹ ہے۔ بہت خوشی ہوئی کیونکہ میری خواہش تھی کہ جمعرات یا سوموار کو میرے جانے کا دن ہو۔ چنانچہ جمعرات کو کافوریہ سے ڈھاکہ اور سوموار کو ڈھاکہ سے لاہور اور پھر ربوہ جانے کا موقع بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی چھوٹی سی خواہش بھی پوری کر دی، الحمدللہ۔

18 نومبر، 1968ء بروز سوموار صبح 10:30 بجے فلائٹ تھی۔ چنانچہ دو پہر 1:00 یا 1:30 بجے لاہور پہنچ گیا۔ جہاز سے اتر کر P.I.A کی بس کے ذریعہ مال روڈ پر لاہور P.I.A کے آفس تک آیا۔ اس کے بعد تانگہ (گھوڑا گاڑی) پر لاہور سٹیشن پہنچ گیا۔ دو پہر کے بعد 4 بجے لاہور سے سرگودھا جانے والی ریل گاڑی کی ٹکٹ ربوہ جانے کیلئے خرید کر آرام سے بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔ غالباً P.I.A فلائٹ پر جو کھانا دیا تھا وہ میرے لیے کافی ہوگیا تھا یا سٹیشن پر کسی ہوٹل میں کچھ کھایا تھا اب یاد نہیں۔ تمام باتیں امیر صاحب نے خود اچھی طرح سمجھا دی تھیں کہ کیا کرنا اور کس طرح کرنا ہے۔ اردو کے 3-4 فقرے جن کی ضرورت تھی وہ بھی یاد کروا دیئے تھے۔ مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ جہاز میں اور ہر جگہ بنگلہ زبان بولنے والے مل جاتے تھے۔

ربوہ جانے والی ٹرین پر بروقت سوار ہوگیا۔ چنانچہ بہت اطمینان ہوگیا کہ اب تو ربوہ پہنچ ہی جاؤں گا۔ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے جو کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ میں تو باہر دیکھتا رہا۔ حیران ہوا کہ درخت یا باغات نہیں۔ زمین میں کھیتیاں تھیں یاد نہیں۔ کہیں پانی نہیں تھا۔ بنگلہ دیش میں تو ہر طرف بہت زیادہ درخت اور باغات اور قریباً ہر طرف ہی پانی نظر آتا ہے۔ زمین کہیں بھی سبزہ سے خالی نہیں۔ پنجاب میں تو تمام زمین ننگی یعنی سفید مٹی تھی۔ کہیں سبزہ نہیں تھا۔ تھوڑے تھوڑے اور چھوٹے چھوٹے درخت وغیرہ تو تھے مگر ہماری نظر میں وہ کچھ نہیں تھے۔

اب رات آگئی تھی۔ اچانک دیکھا کہ لوہے کے Bridge کے اوپر سے ٹرین گزر رہی ہے۔ نیچے دریا ہے اور اوپر سے پکی سڑک پر بسیں وغیرہ دوڑ رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ ربوہ آ گیا ہے۔

راستہ میں ایک فوجی افسر جو سرگودھا جا رہے تھے مجھ سے بنگلہ زبان میں بات کرنے لگے۔ ربوہ کا نام سنتے ہی غصہ سے لال پیلے ہو گئے۔ کہنے لگے کہ تو میرزائی ہے؟ اور برا بھلا کہنے لگے، میں خاموش رہا۔ ربوہ سٹیشن پر ٹرین رکی۔ سٹیشن پر کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ ایک بوڑھے آدمی ملے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہاں جانا ہے؟ میں نے کہا جامعہ ہوسٹل۔ انہوں نے میرا سوٹ کیس اٹھا لیا اور جامعہ کی طرف چل پڑے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ہم جامعہ ہوسٹل پہنچ گئے۔ ابھی مین گیٹ بند نہیں ہوا تھا لیکن عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔

ہوسٹل جامعہ احمدیہ میں

ہوسٹل کے برآمدے میں سوٹ کیس رکھا۔ اس آدمی کو کچھ روپیہ دیا اور وہ چلا گیا۔ انہوں نے روپے نہیں مانگے تھے۔ وہ کمرہ مجھے یاد ہے جو کہ مکرم اشرف اسحاق صاحب کا تھا جو مولانا انیس الرحمان صاحب بنگالی مرحوم کے کلاس فیلو تھے۔ انہوں نے جلدی سے انہیں بلایا۔ کھانا ختم ہو چکا تھا تاہم ان کے پاس مٹی کے تیل کا اسٹوو تھا جس پر انہوں نے میرے لیے چاول پکائے۔ ہوسٹل کے کچن سے سالن مل گیا اور میں کھانا کھا کر رات کو سو گیا۔ مکرم مولانا حیدر علی صاحب ظفر جرمنی میں مبلغ انچارج رہے ہیں، وہ بھی انیس الرحمٰن صاحب کے کلاس فیلو تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی عمر علی طاہر صاحب (حال جرمنی) میرے کلاس فیلو تھے۔

صبح اُٹھ کر باتھ روم جانے لگا تو ہوسٹل کے صحن میں زمین پر پاؤں رکھنے سے مَٹ مَٹ کی آواز آرہی تھی اور پاؤں دھنسا جاتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کلّر والی مٹی ہے جو کہ رات کو ٹھنڈ پڑنے کے باعث اونچی ہو جاتی ہے۔ پاؤں رکھنے سے دھنس جاتا تھا۔ ہر چیز، ہر بات عجیب تھی۔ پانی نمکین بلکہ کڑوا تھا۔ پینے والے پانی کو میٹھا پانی کہتے تھے۔ ماشکی باہر کہیں سے پینے والا پانی لاتا تھا۔

جامعہ میں داخلہ

19 نومبر 1968ء صبح 10 بجے خاکسار محترم سید میر داؤد احمد صاحب (پرنسپل) کے دفتر میں داخل ہوا۔ میر صاحب نے انٹرویو لیا۔ انٹرویو کیا تھا یہ کہ اردو کس قدر جانتا ہوں، قرآن شریف پڑھ سکتا ہوں یا نہیں۔ میں اردو کی محض 'ا' 'ب' جانتا تھا اور قرآن شریف میں سے سورۃ البقرہ کا ایک رکوع پڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ مجھے فصل الخاص میں داخل کر لیا گیا۔ شکر ہے کہ واپس نہیں بھجوایا گیا، الحمدللہ۔

اس زمانہ میں بھائی محمود احمد صاحب (بنگالی) جامعہ میں پڑھتے تھے۔ مگر بہت بیمار تھے۔ کچھ دن بعد ان کو ڈھاکہ واپس بھیج دیا گیا۔ اس شرط پر کہ علاج کے بعد اگر صحت مند ہو گئے تو دوبارہ جامعہ میں آئیں گے۔ چنانچہ ایک سال بعد محمود صاحب صحتمند ہو کر واپس آ گئے۔ اور مولانا انیس الرحمان صاحب کامیاب ہو کر مربی سلسلہ بن گئے۔ مجھے جامعہ احمدیہ میں داخلہ ملنے سے بے حد خوشی ہوئی۔ سب طلباء مجھ سے بہت محبت سے ملتے تھے، باتیں کرتے تھے۔ اردو بولنے کی مشق کرواتے تھے۔ لیکن بہت سی باتوں میں بہت تکلیف تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ روٹی کھانا مشکل تھا۔ مولانا انیس الرحمان صاحب نے کہا کہ میر صاحب کے پاس جاؤ، کہو کہ کچھ دن کے لیے ایک وقت چاول کھانے کی اجازت دیں۔ میر صاحب نے

کہا کہ اگر تو تم نے یہاں رہنا ہے تو چاول کھانا بھول جاؤ۔ یہاں کے چاول بہت مزے دار ہوتے تھے۔

جامعہ احمدیہ کے شب و روز

جامعہ کے زمانہ کے چند ایک واقعات مختصراً لکھتا ہوں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ اسی سال کی بات ہے عیدالاضحیٰ کے دن حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مسجد مبارک میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد پہلا اعلان یہ ہوا کہ حضور انورؒ تمام احباب سے مصافحہ فرمائیں گے۔ اور دوسرا اعلان یہ ہوا کہ جلسہ سالانہ بہت قریب ہے، لنگرخانہ پر ضروری وقارعمل کرنا ہے۔ جامعہ احمدیہ کے طلباء حضور سے ملاقات نہیں کریں گے بلکہ لنگرخانہ پر فوری طور پر پہنچ جائیں گے چنانچہ ہم چلے گئے۔ روزانہ جامعہ کی تدریس کے بعد ہم سب طلباء جامعہ میں وقارعمل کرتے تھے۔ حضرت میر صاحب ہمیشہ مشکل کام پر جامعہ کے طلباء کو لگاتے تھے۔

جلسہ سالانہ پر ہماری ڈیوٹی لنگر خانہ نمبر 1 پر رات کو روٹی اٹھانے کی تھی۔ سمجھا جاتا تھا کہ یہی سب سے زیادہ مشکل ڈیوٹی ہوتی ہے، رات 12 بجے روٹی پکنا شروع ہوتی تھی۔ ہماری ڈیوٹی یہ تھی کہ تندور سے گرم روٹی اٹھا کر تقسیم کے کمرہ میں اکٹھی کرنا تا صبح وقت پر روٹی تقسیم کی جاسکے۔ مجھے سردی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ سخت تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ فرصت ملنے پر علیحدگی میں روتا تھا۔ لیکن دوسرے سال اور بعد کے سالوں میں جلسہ سالانہ کے آنے پر ہم بہت خوش ہوتے تھے بلکہ سارا سال انتظار کرتے تھے کہ جلسہ سالانہ کب آئے گا۔

پہلے دو تین سال روٹی اٹھانے والی ڈیوٹی رہی۔ اس کے بعد سالن تقسیم کرنے کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ رات کو گائے کا گوشت ساتھ آلو اور صبح دال۔ کوارٹر تحریک جدید کے پیچھے یعنی مشرق کی طرف جلسہ سالانہ کا مرکزی دفتر تھا۔ یہاں پر پرہیزی کھانے یعنی چاول پکانے کا لنگر تھا۔ چاول کے ساتھ چھوٹا گوشت یعنی بکرے کا گوشت ہوتا تھا۔ ایک سال یہاں بھی ڈیوٹی تھی۔ مکرم مولانا محمد عثمان چینی صاحب مرحوم انچارج ہوتے تھے۔ محترم میرداؤد احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ ہوتے تھے۔ جب تک آپ زندہ رہے افسر جلسہ سالانہ رہے۔ آپ کے بعد چوہدری حمید اللہ صاحب افسر جلسہ سالانہ مقرر ہوئے۔ میرداؤد احمد صاحب کے بارہ میں سب یک زبان ہو کر کہتے تھے کہ جلسہ کے دوران آپ کب سوتے ہیں کسی کو علم نہیں۔ ساری رات جلسہ سالانہ پر ڈیوٹی دینے والوں کی نگرانی کرتے تھے۔ سب لوگ حیران ہوتے تھے کہ کسی بھی وقت محترم میر صاحب لنگر خانہ پہنچ جاتے تھے۔ اس زمانہ میں چار بڑے لنگرخانے تھے۔ محترم میر صاحب اصول کے انتہائی سخت پابند تھے۔ سب ان سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ بعد میں ہم نے دیکھا کہ انتہائی نرم، محبت کرنے والے اور ہمدرد انسان تھے مگر ڈیوٹی کے دوران آپ سخت ہوتے تھے۔ لیکن اکثر مزاح اور خوشگوار لطیفے سناتے تھے۔ مجھے یاد ہے۔ پہلے سال کی بات ہے، رات 12 بجے آ کر ہمیں نیند سے جگاتے تھے۔ ایک روز جگانے سے قبل انہوں نے میری جوتی ویسٹ کوٹ کی جیب میں چھپا دی تھی۔ چنانچہ میں نے جاگنے کے بعد باتھ روم جانا تھا۔ لیکن جوتی نہیں مل رہی تھی۔ میر صاحب میری جوتی ڈھونڈنے لگے۔ جب کہیں سے نہیں ملی تو آخر میر صاحب نے میرے کوٹ کی جیب سے جوتی نکالی اور ہنس کر کہنے لگے کہ تم نے کوٹ میں جوتی چھپا کر رکھی ہے؟

مرزائیوں نے ربوہ میں جنت بنا رکھی ہے

ایک سال جلسہ سالانہ کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک غیر احمدی مولوی صاحب کو میرے پاس لایا گیا کہ ان کی بات سنیں اور کوئی انتظام کریں۔ مَیں اُن دنوں جامعہ کی آخری کلاس میں پڑھتا تھا۔ مولوی صاحب سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ مولوی صاحب کہنے لگے کہ سرگودھا کے فلاں گاؤں سے آیا ہوں۔ اپنے گاؤں میں مَیں مسجد کا امام ہوں۔ میں چھپ کر آیا ہوں۔ جلسہ دیکھ کر چلا جاؤں گا۔ کسی اجتماعی قیام گاہ میں نہیں رہنا چاہتا تا کہ کوئی پہچان نہ لے اور اس طرح نوکری چلی جائے گی۔ کوئی ایسی جگہ رات رہنا چاہتا ہوں جہاں زیادہ لوگ نہ ہوں۔ چنانچہ میں نے دو تین جگہ کوشش کی۔ آخر دارالیمن شرقی میں ایک دوست کے گھر لے گیا کہ اس جگہ رات رہ لیں لیکن مولوی صاحب کو وہ جگہ پسند نہ آئی اور انہوں نے واپس سرگودھا جانے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ لاری اڈہ کی طرف آتے ہوئے مولوی صاحب کچھ ایسی باتیں کرنے لگے جس پر مجھے شبہ ہوا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ میں نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ بتاؤ اصل بات کیا ہے۔ مولوی صاحب کہنے لگے مَیں نے تو سنا تھا کہ ربوہ میں کہیں زمین کے نیچے کوئی تہ خانہ ہے جہاں جنّت بنائی گئی ہے، وہاں حوریں ہیں۔ میرے جیسے کو جنّت میں رکھے جانے کی بات کریں۔ میں نے کہا مولوی! یہ سامنے لاری اڈہ ہے بس پر بیٹھ کر بھاگ جاؤ۔ اگر کسی پنجابی کو تمہارا پتہ چل گیا تو تمہیں تو بہت ہُورے (مکّے) ملیں گے۔ چنانچہ وہ بس پر بیٹھ کر چلا گیا۔

(باقی آئندہ ان شاءاللہ)

تعطیلات سرما کے دوران درس القرآن

گزشتہ رمضان المبارک کی طرح موسم سرما کی تعطیلات کے دوران بھی ایم۔ٹی۔اے جرمن سٹوڈیو نے حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے درس القرآن کا انتظام کیا۔ محترم صداقت احمد صاحب مبلغ انچارج جرمنی کی ہدایت پر قرآن کریم کے بعض منتخب حصوں کا درس دینے والوں میں مربیان سلسلہ جرمنی مکرم مبارک احمد تنویر صاحب، مکرم طاہر احمد صاحب، مکرم محمد الیاس منیر صاحب، مکرم فاتح احمد ناصر صاحب، مکرم جری اللہ صاحب، مکرم نفیس احمد عتیق صاحب، مکرم صداقت احمد صاحب شامل ہیں۔ آدھ گھنٹے کا یہ درس القرآن 21 دسمبر 2020ء سے جنوری 2021ء کے آخر تک جمعہ کے علاوہ ہر روز رات ساڑھے سات بجے ایم۔ٹی۔اے جرمنی کی یوٹیوب سٹریم پر نشر کیا جاتا رہے گا، ان شاءاللہ۔ اس درس سے ہزاروں احباب جماعت اپنے گھروں پر رہتے ہوئے استفادہ کر رہے ہیں۔

کہاوتوں کی کہانیاں

(رؤف پاریکھ)

ٹیڑھی کھیر ہے

یعنی مشکل کام ہے۔ یہ کہاوت ایسے وقت بولتے ہیں جب کوئی ٹیڑھا اور بہت مشکل کام سر پر آن پڑے۔

اس کا قصّہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کھیر پکائی۔ سوچا اللہ کے نام پر کسی فقیر کو بھی تھوڑی سی کھیر دینی چاہیے۔ اسے جو پہلا فقیر ملا وہ اتفاق سے نابینا تھا اور اس فقیر نے کبھی کھیر نہیں کھائی تھی۔ جب اس شخص نے فقیر سے پوچھا، "کھیر کھاؤ گے؟"

تو فقیر نے سوال کیا، "کھیر کیسی ہوتی ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا، "سفید ہوتی ہے۔"

اندھے نے سفید رنگ بھلا کہاں دیکھا تھا۔ پوچھنے لگا، "سفید رنگ کیسا ہوتا ہے؟"

اس شخص نے کہا، "بگلے جیسا۔"

فقیر نے پوچھا، "بگلا کیسا ہوتا ہے؟"

اس پر اس شخص نے ہاتھ اٹھایا اور انگلیوں اور ہتھیلی کو ٹیڑھا کر کے بگلے کی گردن کی طرح بنایا اور بولا، "بگلا ایسا ہوتا ہے۔"

نابینا فقیر نے اپنے ہاتھ سے اس شخص کے ہاتھ کو ٹٹولا اور کہنے لگا، "نہ بابا یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ گلے میں اٹک جائے گی۔ میں یہ کھیر نہیں کھا سکتا۔"

یک نہ شد دو شد

اس کہاوت کے لفظی معنی تو یہ ہیں، "ایک نہ ہوا دو ہوئے۔" اور یہ کہاوت اُس وقت بولی جاتی ہے جب ایک مصیبت کے ساتھ دوسری مصیبت بھی سر پر آ پڑے۔

اس کہاوت کی کہانی یوں ہے کہ ایک شخص منتر پڑھ کر مردوں کو زندہ کرنے اور دوسرا منتر پڑھ کر انہیں دوبارہ مارنے کا جادو جانتا تھا۔ وہ مردوں کو زندہ کر کے ان سے باتیں کرتا اور پھر انہیں دوبارہ جادو کے زور سے قبر میں داخل کر دیتا۔ وہ شخص جب مرنے لگا تو اس نے اپنے ایک شاگرد کو یہ جادو سکھا دیا۔ اس کے مرنے کے کچھ عرصے بعد شاگرد نے ایک قبر پر جا کر یہ منتر پڑھا اور مردے سے باتیں کیں، لیکن مردے کو دوبارہ قبر میں داخل کرنے کا منتر بھول گیا۔ شاگرد بہت گھبرایا اور جب گھبرا کر بھاگنے لگا تو وہ مردہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ اب وہ جہاں بھی جاتا مردہ اس کے پیچھے آتا۔ بہت کوشش کی پھر بھی جب اسے منتر یاد نہ آیا تو اسے ایک ترکیب سوجھی۔ وہ استاد کی قبر پر پہنچا اور مردے کو زندہ کرنے کا منتر پڑھا اور استاد کے قبر سے نکلنے پر اس سے دوسرا منتر پوچھنے لگا، لیکن استاد صاحب ایسی دنیا میں پہنچ چکے تھے جہاں انہیں کوئی پچھلی بات یاد نہ تھی اور اب استاد کا مردہ بھی پہلے مردے کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ نتیجہ یہ کہ شاگرد وہاں سے یہ کہہ کر بھاگا کہ، "یک نہ شد دو شد۔"

دودھ کا دودھ پانی کا پانی

اس کہاوت کا مطلب ہے انصاف ہونا اور یہ ایسے موقع پر بولی جاتی ہے جب سچ اور جھوٹ الگ ہو جائیں اور کسی کو اس کے اچھے یا برے کام کا بدلا ملے۔

اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک گوالا بڑا بے ایمان تھا اور دودھ میں پانی ملا کر بیچا کرتا تھا۔ بہت جلد اس نے اچھے خاصے پیسے جمع کر لئے۔ ایک روز اس نے ساری رقم ایک تھیلی میں ڈالی اور اپنے گاؤں کی طرف چلا۔ گرمی کا موسم تھا۔ پسینہ چوٹی سے ایڑی تک بہہ رہا تھا۔ گوالے کے راستے میں ایک دریا پڑا۔ اس نے سوچا چلو نہا لیتے ہیں۔ روپوں کی تھیلی اس نے ایک درخت کے نیچے رکھی۔ تھیلی پر کپڑے ڈال دیے اور لنگوٹ کس کر پانی میں کود پڑا۔ اس علاقے میں بندر بہت پائے جاتے تھے۔ اتفاق کی بات کہ ایک بندر درخت پر چڑھا یہ ماجرا دیکھ رہا تھا۔ گوالے کے پانی میں اُترتے ہی بندر درخت سے اُترا اور روپوں کی تھیلی لے کر درخت کی ایک اونچی شاخ پر جا بیٹھا۔ گوالا پانی سے نکلا اور بندر کو ڈرانے لگا، لیکن بندر نے تھیلی کھولی اور روپے ایک ایک کر کے ہوا میں اڑانے لگا۔ درخت دریا کے کنارے سے بہت قریب تھا اور روپے اُڑ اُڑ کر پانی میں گرنے لگے۔ گوالے نے روپوں کو پکڑنے کی بہت کوشش کی، لیکن پھر بھی آدھے روپے پانی میں جا گرے۔ راستہ چلتے لوگ جو گوالے کی بے ایمانی سے واقف تھے اور یہ تماشا دیکھنے جمع ہو گئے تھے گوالے کی چیخ و پکار سن کر کہنے لگے، "دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو گیا۔" یعنی گوالے نے جو آدھے پیسے دودھ میں پانی ملا کر بے ایمانی سے کمائے تھے وہ پانی میں مل گئے۔

نئے سال کے موقع پر قارئین کی خدمت میں ادارۂ اخبار احمدیہ جرمنی کی طرف سے دلی مبارکباد پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم اس سال اپنے پیارے آقا کی توقعات کے مطابق اپنے جائزے لے کر اپنے آپ کو پہلے سے بہتر بنانے والے ہوں، آمین

قسط دوم

جرمنی میں احمدیہ مشن کا اِحیائے نَو

(مکرم ساجد نسیم صاحب۔ مربی سلسلہ و ممبر تاریخ احمدیت کمیٹی جرمنی)

محترم مبارک احمد بنگالی صاحب مرحوم ستمبر 1922ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر پہلے مبلغ سلسلہ احمدیہ کی حیثیت سے جرمنی تشریف لائے تھے اور یہاں احمدیہ مسلم مشن کی بنیاد رکھی گئی تھی مگر جنگ عظیم اوّل کے بعد جرمنی کے معاشی و اقتصادی بحران کی وجہ سے یہ مشن جماعت کو بند کرنا پڑا۔ اس کے بعد جیسا کہ اخبار احمدیہ کے شمارہ اکتوبر 2019ء میں ذکر ہو چکا ہے کہ جنگ عظیم دوم کے بعد ایک مرتبہ پھر اس مشن کے احیائے نَو کے لئے کوششیں شروع کی گئیں اور 1948ء میں مکرم شیخ ناصر احمد صاحب مرحوم اور مکرم غلام احمد بشیر صاحب مرحوم نے سوئٹزرلینڈ سے ہمبرگ کے متعدد دورے کئے جن کے نتیجہ میں یہاں کچھ روابط استوار ہو گئے۔ اس کے بعد 1949ء میں چوہدری عبداللطیف صاحب بی۔اے کو ہمبرگ میں مستقل مبلغ سلسلہ مقرر کیا گیا جن کے ذریعہ جرمنی میں ہماری جماعت کے اس مشن کا احیائے نَو ہوا، الحمدللہ۔ (تلخیص از تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 411-412)

محترم چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی کی خدمات کا عرصہ قریباً رُبع صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی اہم خدمات میں جرمنی میں جماعت کی ابتدائی رجسٹریشن، دو مساجد کی تعمیر اور بہت سے جرمن نژاد سعادت مندوں کی بیعتیں اور ان کی تعلیم و تربیت شامل ہے۔ آپ کی ان خدمات کے تذکرہ سے قبل آپ کے سوانح زندگی کا ایک مختصر جائزہ پیش ہے۔

ابتدائی حالات زندگی

محترم چوہدری عبداللطیف صاحب ایک چھوٹے سے گاؤں بہادر پور ضلع ہوشیار پور میں 7/جولائی 1915ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چوہدری عطا محمد صاحب لائل پور (فیصل آباد) میں ملازم تھے اس لئے ابتدائی تعلیم وہاں سے حاصل کی۔ آپ کے والد صاحب کی نیکی، تقویٰ اور تبلیغی جوش کا آپ پر بچپن سے ہی بہت اثر تھا اور پرائمری کی تعلیم کے دوران اس چھوٹی عمر میں آپ کے دل و دماغ پر تبلیغ کا جوش نمایاں طور پر موجود تھا۔ وہاں تعلیم کے دوران اپنے فارغ اوقات میں آپ چند دیگر احمدی بچوں کے ساتھ تبلیغ کے کام میں پورے جوش اور ولولہ کے ساتھ ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری کی زیر قیادت مجلس انصاراللہ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا جس کا واحد مقصد تبلیغ احمدیت تھا۔ آپ انصار کے ساتھ قریہ قریہ، بستی بستی پھر کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم کلام اونچی آواز میں پڑھ کر نہایت گرمجوشی اور ایمانی جذبہ کے ساتھ تبلیغ کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں جماعت کے تبلیغی جلسے باقاعدگی سے منعقد ہوا کرتے تھے جس میں مرکز سے جماعت کے چوٹی کے علماء حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحب رضی اللہ عنہ، حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحبؓ اور مکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہویؓ شامل ہوا کرتے تھے۔

محترم چودھری عبداللطیف صاحب مرحوم

آپ اس چھوٹی عمر میں ہی احباب جماعت کے ساتھ جلسوں کا اعلان یکّے پر بیٹھ کر کیا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اَشعار

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

اونچی آواز میں پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے والد صاحب چوہدری عطا محمد صاحب کا ملازمت کی وجہ سے لائل پور سے تبادلہ ہو گیا اور وہ اپنے عہدہ میں ترقی کر کے نائب تحصیلدار کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ اس طرح میٹرک آپ نے ٹوبہ ٹیک سنگھ ہائی سکول سے کیا اور مزید تعلیم کے لئے آپ نے پھر گورنمنٹ کالج لائلپور میں داخلہ لے لیا۔ 1936ء میں آپ نے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اور پھر چند سال صدر انجمن احمدیہ قادیان کے دفاتر میں آپ کو خدمات بجالانے کی توفیق ملی۔

1939ء میں آپ نے اپنی زندگی وقف کرنے کے لئے درخواست حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھجوائی۔ حضورؓ نے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ (جو اُس وقت بحیثیت صدر مجلس خدام الاحمدیہ خدمات بجالا رہے تھے) اور حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب گوہر رضی اللہ عنہ کو چوہدری صاحب کے انٹرویو کے لئے ارشاد فرمایا۔ جس پر آپ کی وقف زندگی کی درخواست کی سفارش حضور کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔ جسے حضور رضی اللہ عنہ نے منظور فرما لیا۔ دارالواقفین میں قیام کے عرصہ کے دوران چوہدری صاحب کی تعلیم و تربیت کا کام حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی براہ راست نگرانی کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں

انگلستان روانگی کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے قادیان کے ریلوے اسٹیشن پر تشریف لے جاکر الوداع کہا

مکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہویؒ، مولانا عبداللطیف صاحب بہاولپوریؒ اور حضرت مولانا ابوالعطاء صاحبؓ کے سپرد تھا۔ آپ کو قرآن کریم مع ترجمہ وتفسیر، صرف ونحو، منطق، حدیث اور فقہ کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ صدر خدام الاحمدیہ کی نگرانی میں شعبہ اعتماد، تعلیم، تجنید اور محاسب میں خدمت بجالانے کی توفیق بھی ملتی رہی۔

ایک مرتبہ رمضان کے آخری عشرہ میں آپ نے ایک رؤیا دیکھی کہ آپ ملاء اعلیٰ میں پرواز کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی یہ رؤیا بیان کی۔ آپؓ نے چوہدری صاحب کی رؤیا سن کر بلا توقف فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے مغربی ممالک میں تبلیغ کا کام لے گا۔

دوران تعلیم حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد تھا کہ ہفتہ میں دو مرتبہ ملاقات کے لئے قصر خلافت میں حاضر ہوا کریں۔ ملاقات کے دوران حضورؓ چوہدری صاحب کے شب و روز کے معمولات کا جائزہ لے کر اپنی قیمتی نصائح سے نوازا کرتے تھے۔ جسمانی مشقت کی تربیت دینے کے لئے حضور مولانا غلام احمد صاحب بدوملہویؒ کی نگرانی میں لمبے پیدل سفر کروایا کرتے تھے اور اکثر ڈلہوزی جایا کرتے تھے اور اس طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ڈلہوزی قیام کے دوران درسِ قرآن میں شامل ہونے کی سعادت بھی مل جاتی تھی۔ ایک دفعہ حضورؓ نے آپ کو پیدل کشمیر بھی بھجوایا۔ جب سری نگر پہنچے تو پیسے ختم ہوگئے۔ حضورؓ کی خدمت اقدس میں واپسی کے سفر کے لئے کچھ نقدی بھجوانے کے لئے درخواست کی گئی۔ حضور نے تار کے ذریعہ جواب ارسال فرمایا کہ

Not a pence will be sent. It was Mujahidin,s duty to spend according budget.

Mirza Mahmood Ahmad

ترجمہ:۔ ایک پیسہ بھی نہیں بھیجا جائے گا یہ مجاہدین کا فرض تھا کہ وہ بجٹ کے اندر رہ کر خرچ کرتے۔

خدا کے فضل و کرم سے حضور کے اس ارشاد پر آپ کو کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی لاحق نہ ہوئی اور اس طرح لمبی لمبی منازل پیدل طے کرتے ہوئے قادیان واپس پہنچ گئے۔ ایک مرتبہ حضور نے مزید مشقت پیدا کرنے کے لئے مولوی صاحب کو قادیان کے گرد و نواح کے مختلف علاقوں میں تبلیغی دورے کرنے کے لئے ارشاد فرمایا اور آپ کے ساتھ چوہدری غلام یاسین صاحب کو بھی بھجوایا اور کپورتھلہ کے مضافات میں تبلیغی سروے کرنے کا کام ان کے سپرد کیا گیا۔ حضورؓ کی طرف سے آپ کو ہدایت یہ تھی کہ جیب میں کوئی رقم نہیں رکھنی اور کسی سے مانگنا بھی نہیں۔ یہ چار ہفتوں کا وقت آپ نے پورے حوصلہ اور ایمان افروز جذبہ کے ساتھ گذارا۔

(بحوالہ خود نوشت ڈائری از مولوی عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی، ریکارڈ تاریخ کمیٹی جرمنی)

انگلستان کے لئے روانگی

قادیان میں قریباً چھ سال کی علمی و عملی تربیت کے بعد آپ کو اعلائے کلمہ اسلام کے لئے انگلستان بھجوایا گیا۔ آپ مؤرخہ 29 ستمبر 1945ء کو چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے، ایل۔ایل۔بی کے ہمراہ انگلستان کے لئے روانہ ہوئے۔ مؤرخہ 28 ستمبر کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے ان دونوں مبلّغین کے اعزاز میں چائے کی الوداعی دعوت رکھی تھی جس میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے باوجود علالت کے شرکت فرمائی اور اس موقع پر مختصر مگر اہم تقریر فرمائی اور اگلے روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ از راہ شفقت و نوازش آپ کو الوداع کہنے بنفس نفیس ریلوے اسٹیشن پر تشریف لائے۔ اس موقع پر حضور رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل ہدایات رخصت ہونے والے ان واقفین زندگی کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر عطا فرمائیں:

”(1) اللہ پر توکل کرتے ہوئے جاؤ۔ اس پر ایمان کو مضبوط کرو اور اس کی محبت بڑھاتے رہو یہاں تک کہ دل کی آنکھوں، دماغ کی آنکھوں اور ماتھے کی آنکھوں سے وہ نظر آنے لگے اور دل و دماغ اور بیرونی کانوں سے اس کی آواز سنائی دینے لگے۔

(2) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے سردار ہیں۔ مسیح موعود علیہ السلام ان کے خادم ہیں۔ خادم کو آقا سے جدا نہ سمجھو مگر آقا کو آقا اور خادم کو خادم کا مقام دو اور دونوں کی محبّت میں سرشار رہو۔

(3) خدا تعالیٰ نے ہمیں خلیفہ ہی نہیں بنایا بلکہ اس زمانہ میں خدمت اسلام کا کام خاص طور پر ہمارے سپرد کیا ہے اور اسلام کی ترقی ہم سے وابستہ کی ہے۔ اس لئے ہمارا مقام عام خلافت سے بالا ہے۔ ہمارا کام خدا تعالیٰ کے خاص ہاتھ میں ہے۔ ہماری ذاتی عظمت کوئی نہیں۔ نہ ہم اپنے لئے کوئی خاص عزت چاہتے ہیں مگر ہم اللہ تعالیٰ کی تلوار ہیں جو ہمارے سایہ میں لڑتا ہے۔ وہ اپنے لئے جنّت کا دروازہ کھولتا ہے۔ جو ہم سے ایک انچ بھی دور ہٹتا ہے، وہ اسلام سے دشمنی کرتا ہے اور اس کی ترقی میں روک

ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور ہدایت بخشے۔ خدا تعالیٰ نے کہا کہ اس کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا جس کے یہ معنے ہیں کہ خود اس کا وجود پیش کرنا ہی اس وقت اسلام کی ترقی کے لئے مفید ہے۔

(4) نمازوں کی پابندی۔ دعاؤں پر زور کو اپنا شعار بناؤ۔

(5) اطاعت خواہ کوئی افسر ہو ایمان کا جزو ہے۔ خود افسر ہو تو نیک سلوک کرو۔ دوسرا افسر ہو تو اس کا اس قدر اعزاز اور احترام کرو کہ دیکھنے والے بغیر کہنے کے اس کا اعزاز کرنے لگیں۔ اسلام کی روح کو ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں زندہ رکھنے اور وسیع کرنے کی کوشش کرو"۔

(روزنامہ الفضل قادیان یکم اکتوبر 1945 صفحہ 3)

روانگی کے وقت سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی قیادت میں احباب جماعت کا ایک بڑا مجمع دونوں مبلغین کو رخصت کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھا۔ حضور نے اپنے دونوں خدام کو شرف مصافحہ ومعانقہ بخشا اور مجمع سمیت لمبی دعا فرمائی اور آخر وقت تک اسٹیشن پر رونق افروز رہے۔ کئی احباب نے پھولوں کے ہار اپنے دونوں بھائیوں کے گلے میں ڈالے اور نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان رخصت کیا۔ (الفضل قادیان یکم اکتوبر 1945ء)

دعاؤں کے ساتھ قادیان سے رخصت ہونے کے بعد یکم اکتوبر کو ممبئی پہنچے اور وہاں سے بذریعہ بحری جہاز مؤرخہ 21/اکتوبر کو لنڈن پہنچے۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے اسٹیشن پر استقبال کیا۔ ایک سال لنڈن میں قیام کے دوران تبلیغی فرائض سرانجام دیئے۔ ہائیڈ پارک میں جاکر اکثر اسلام اور احمدیت کے بارہ میں تقاریر کیا کرتے تھے اس کے بعد آپ نے ایک سال سوئٹزرلینڈ میں تبلیغ کے فرائض سرانجام دیئے۔ آپ کو مکرم شیخ ناصر احمد صاحب مرحوم اور مولوی غلام احمد صاحب بشیر مرحوم کے ساتھ زیورک میں مشن کے قیام کی بھی توفیق ملی۔ وہاں ملک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں جاکر تبلیغی پمفلٹ تقسیم کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد 1947ء کے آخر میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو مولوی غلام احمد صاحب بشیر کے ساتھ ہالینڈ بھجوا دیا۔ وہاں مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب کی زیر نگرانی آپ کو ایک سال تک تبلیغ اسلام کے فرائض سرانجام دینے اور مشن ہاؤس میں حافظ قدرت اللہ صاحب کی معاونت کرنے کی توفیق ملی۔

آپ عرصہ 13 سال سے اپنڈکس کے مرض میں مبتلا تھے۔ لندن، زیورک اور ہیگ کے ماہر ڈاکٹروں سے علاج کروایا گیا لیکن بیماری کی صحیح تشخیص نہ ہوسکی تھی۔ یہ سارا عرصہ آپ نے بہت زیادہ تکلیف، اضطراب، کرب اور درد کے ساتھ گزارا۔ ایک دن آپ ہیگ میں مختلف اداروں میں جاکر مختلف شخصیات کے ساتھ ملنے کے بعد شام کو جب مشن ہاؤس کی طرف واپس آرہے تھے۔ تو اپنڈکس کی تکلیف شدت اختیار کر گئی۔ فوراً ہسپتال چلے گئے۔ سرجن نے معائنہ کے بعد بتایا کہ آپ کی زندگی خطرہ میں ہے لیکن فوری طور پر آپریشن نہیں ہوسکتا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو بیماری کی شدت کا علم ہوا تو حضورؓ نے فوراً پیغام بھجوایا "بہترین ہسپتال اور بہترین سرجن ہو، پہلے ہی کافی دیر ہوئی ہے۔ رقم کی پرواہ نہ کی جائے"۔ سرجن نے دو ہفتہ تک مختلف علاج کرنے کے بعد آپریشن کر دیا جو خدا کے فضل و کرم سے اور حضورؓ کی دعاؤں کے طفیل کامیاب ہوگیا۔

اس عرصہ کے دوران جرمنی میں مشن ہاؤس کے دوبارہ قیام کے سلسلہ میں برٹش گورنمنٹ کے ذریعہ کوششیں جاری تھیں۔ 1949ء میں برٹش گورنمنٹ نے جرمنی میں اسلامی مشن کھولنے کی اجازت دے دی۔ اس پر لندن سے مکرم امام صاحب نے منظوری کی اطلاع بھجواتے ہوئے حضور کی خدمت میں تحریر کیا کہ چوہدری عبداللطیف صاحب کی صحت آپریشن کی وجہ سے کافی خراب ہے اور وہ بے حد کمزور ہیں اور جرمنی کے حالات جنگ کے بعد کافی مخدوش ہیں اس لئے موجودہ حالات میں مولوی غلام احمد صاحب کو وہاں بھجوانا مناسب ہوگا اس پر حضورؓ نے فرمایا کہ "بھجوانا جرمنی میں نے لطیف ہی کو ہے۔ چاہے اس کی صحت کتنی کمزور ہے"۔ چنانچہ حضورؓ کے ارشاد کی تعمیل میں آپ 20 جنوری 1949ء کو ہمبرگ پہنچ گئے۔ (خودنوشت ڈائری ازمولوی عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی ریکارڈ شعبہ تاریخ جرمنی)

رات کے پچھلے پہر اُٹھو

رب کعبہ ، خالق ارض و سماء کے واسطے
جس نے ہے پیدا کیا حمد و ثنا کے واسطے
جھولیاں پھیلایئے اس کی عطا کے واسطے
حبس میں گر چاہتے ہو در ہوا کے واسطے
رات کے پچھلے پہر اٹھو دعا کے واسطے

مشکلوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہو اگر
ان سے بچنے کے لئے کوئی نہ رستا ہو اگر
خوف کا چاہے لگا ہر سمت پہرہ ہو اگر
دل کے سجدوں کے لئے ، آہ و بکا کے واسطے
رات کے پچھلے پہر اٹھو دعا کے واسطے

جن کے سینے ہیں منور ، صاحبِ ایمان ہیں
تیسرے درجے کے بھی شہری، نہ وہ انسان ہیں
قومی دھارے سے الگ، بے چہرہ و پہچان ہیں
وقت کیا بہتر ہے عرضِ مدعا کے واسطے
رات کے پچھلے پہر اٹھو دعا کے واسطے

ہے خطا ان کی یہی کافی ، خطا کوئی نہیں
وہ سمجھتے ہیں کہ بس ، ان کا خدا کوئی نہیں
کوئی بھی حاجت روا ، مشکل کشا کوئی نہیں
اجر ہے اللہ کے ہاں ، صبر و رضا کے واسطے
رات کے پچھلے پہر اٹھو دعا کے واسطے

گالیاں سن کر دعا دینا ہمارا ہے اصول
اپنے دامن میں فقط مہر و محبت کے ہیں پھول
اور ان پھولوں سے پاتے ہیں مرادوں کا حصول
ان کی خوشبو ، امن کی آب و ہوا کے واسطے
رات کے پچھلے پہر اٹھو دعا کے واسطے

(عبدالکریم قدسی۔ وادیٔ غربت صفحہ 164-163)

اُذْکُرُوا مَوْتٰکُمْ بِالْخَیْرِ

ایک مخلص جرمن نژاد احمدی مسلمان

مکرم سعید فرتس کریچمر صاحب

(Said Fritz Kretzschmar)

(مکرم محمد لقمان مجوکہ صاحب۔ سیکرٹری تاریخ کمیٹی جرمنی)

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ تیری ایسے رجال کے ذریعہ مدد فرمائے گا جنہیں وہ خود آسمان سے وحی کرے گا۔ چنانچہ اس وعدہ کے پورا ہونے کے نظارے ہم دنیا کے ہر ملک اور قوم میں دیکھتے ہیں۔ جرمنی میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے بہت سے مددگار جماعت کو میسر آئے۔ زیرِنظر مضمون میں ایک ایسے ہی اسم بامسمّٰی سعید فطرت جرمن نژاد مکرم سعید فرتس کریچمر صاحب (Said Fritz Kretzschmar) کا ذکر خیر ہدیہ قارئین ہے۔ یہ مضمون مبلغین سلسلہ اور بعض پرانے دوستوں نیز تاریخی ریکارڈ سے استفادہ کرکے مرتب کیا گیا ہے۔ اگر کسی دوست کے پاس موصوف کے بارہ میں مزید معلومات ہوں تو تاریخ کمیٹی کو فراہم کرکے ممنون فرمائیں۔

جرمن نژاد مکرم سعید فرتس کریچمر صاحب مرحوم کا تعلق ہانوفر (Hannover) کے نزدیک شہر Lehrte سے تھا۔ تاہم بعد میں ہانوفر کے ہی قریب ایک دوسرے شہر Hildesheim میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ وکالت تبشیر ربوہ کی طرف سے ملنے والی ایک فہرست نو مبائعین کے مطابق آپ نے 1955ء میں بیعت کی تھی اور اس طرح آپ کا شمار اُن ابتدائی احمدیوں میں ہوتا ہے جنہیں مسجد فضل عمر کی تعمیر سے بھی پہلے محترم چودھری صاحب کے ذریعہ احمدی ہونے کی توفیق ملی تھی۔ آپ کی بیعت کا وہی مبارک سال ہے جب جرمنی کو پہلی بار حضرت مسیح موعودؑ کے عظیم المرتبت نمائندہ کے وجود سے برکت ملی تھی تاہم یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مکرم سعید صاحب موصوف کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے شرف ملاقات نصیب ہوا تھا یا آپ کو حضورؓ کے دورہ کے بعد بیعت کی سعادت ملی تھی۔

آپ کے سن پیدائش کا بھی علم نہیں ہوسکا تاہم آپ کے اپنے تحریر کردہ خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ 1938ء میں ایک یہودی استاد سے دو سال کام سیکھا اور اس کے بعد دفاتر کو سازوسامان فراہم کرنے والی ایک ہول سیل کمپنی میں کام شروع کیا۔ اس کے بعد فوج میں بھرتی ہوئے اور 1945ء تک فوج میں ہی رہے (مکتوب بنام چودھری عبد اللطیف صاحب 1957ء، تاریخ جرمنی آرکایئو، فائل 1957،1) آپ نے ایک دوسرے خط میں دوران جنگ تین مرتبہ زخمی ہونے کا ذکر بھی کیا ہے جس کے نتیجہ میں دل کے عارضہ میں مبتلا ہوئے۔ (خط 24-2-1957ء، تاریخ جرمنی آرکایئو، فائل 1957،1)

مرحوم سعید صاحب کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام احمدیت قبول کرنے کے بعد شروع میں کچھ عرصہ اپنی اہلیہ کی طرف سے مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا، مگر آپ نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے خطوط میں بار بار اس بات کا پرخلوص اظہار کیا کہ میں اسلام اور احمدیت پر مرتے دم تک قائم رہوں گا۔ چنانچہ چوہدری عبداللطیف صاحب کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں ”میں ایک احمدی مسلمان ہوں اور اپنی موت تک رہوں گا“۔ (خط 1957، تاریخ جرمنی آرکایئو، فائل 1957،1)

پھر ایک موقع پر اپنی مشکلات کا ذکر کرنے کے بعد لکھا: ”میں نے اسلام قبول کیا ہے اور اس عہد پر مضبوطی سے قائم رہوں گا، کیونکہ میرا صرف ایک خدا اللہ ہے اور اس کے لیے میں اپنی جان بھی قربان کرسکتا ہوں“۔ (خط، 24-2-1957، تاریخ جرمنی آرکایئو، فائل 1957،1)

کچھ عرصہ تک ایک اور نسبتاً پرانے جرمن احمدی مکرم عمر ایریش بائر صاحب مرحوم (Omar Erich Beyer) جو ہانوفر سے ہی تھے، کے ساتھ خاص تعلق رہا اور ان سے بھی بنیادی دینی مسائل سیکھتے رہے۔ مرحوم کے بارہ میں محترم حیدر علی ظفر صاحب مبلغ سلسلہ تحریر فرماتے ہیں:

1974ء کے اوائل میں جب خاکسار نے ہمبرگ مشن کا چارج لیا تو اس وقت دو مخلص جرمن احمدی جماعت کے ساتھ منسلک اور وابستہ تھے۔ ایک مکرم سعید کریچمر صاحب اور دوسرے Saeed Steinhauser صاحب۔ مکرم کریچمر صاحب معمّر تھے اور Hildesheim میں رہتے تھے جبکہ دوسرے جرمن احمدی مکرم Steinhauser صاحب خادم تھے اور ہمبرگ کے قریب Wedel میں رہائش پذیر تھے۔

محترم کریچمر صاحب اپنے خاندان میں اکیلے ہی احمدی تھے۔ ان کی اہلیہ اور بچے مسلمان نہیں تھے۔ اکیلے ہونے کے باوجود آپ کا جماعت کے ساتھ مضبوط تعلق اور رابطہ تھا۔ جماعت اور خلافت سے دلی وابستگی تھی۔ اس وقت Hildesheim میں کوئی جماعت نہیں تھی اس لئے آپ جماعت Hannover کے ممبر تھے مگر جب بھی وقت اور موقع ملتا تو آپ مسجد فضل عمر

ہمبرگ چلے آتے۔ چونکہ اکثر آتے رہتے تھے لہٰذا ان کا بہت سے احباب جماعت سے تعارف اور بے تکلفی بھی تھی۔ جماعتی سرگرمیوں میں پوری طرح حصّہ لیتے تھے۔ نمازوں کے بھی پابند تھے۔ جماعتی اجلاسات کے ساتھ ساتھ وقارِعمل میں بھی شوق سے حصّہ لیتے۔ کسی تقریب، جلسہ یا عید سے قبل مسجد میں صفائیاں ہوتیں تو اس میں بھرپور حصہ لیتے۔ چندہ بھی باقاعدگی سے ادا کرتے۔ خاکسار نے ان سے جوبلی فنڈ کا ذکر کیا تو آپ نے چندہ عام کے ساتھ مزید 15مارک ماہانہ اس فنڈ میں ادا کرنے شروع کر دیئے۔ آپ کو ہمبرگ میں ہونے والے دوسرے جلسہ سالانہ جرمنی کے موقع پر تقریر کرنے کا بھی موقع ملا۔ یہ جلسہ سالانہ بعض وجوہات کی بناء پر 8 جنوری 1977ء کو ہوا تھا، اس کا افتتاح اور اختتام خاکسار نے کیا میرے علاوہ مبلغ سلسلہ فرانکفرٹ مکرم منصور احمد خان صاحب اور جرمن احمدی S.F. Kretschmer اور مکرم Herbert Gehrts نے بھی تقاریر کیں۔

دوسرے جلسہ سالانہ جرمنی منعقدہ جنوری 1977ء کے سٹیج کا منظر، محترم نواب منصور خان صاحب خطاب کر رہے ہیں اور محترم حیدر علی ظفر صاحب کے ساتھ مکرم سعید کریچمر صاحب بیٹھے ہیں۔

1976ء میں جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ہمبرگ تشریف لائے تو کریچمر صاحب نے حضورؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اس ملاقات پر بے حد نازاں اور خوش تھے۔ 1977ء میں فرانکفرٹ میں مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کا اجتماع منعقد ہوا تو ہمبرگ سے خدام بذریعہ بس فرانکفرٹ پہنچے تو یہ دونوں مخلص احمدی بھی ہمارے ہمسفر تھے۔ مکرم Steinhauser چونکہ جوان تھے اور میری ان سے بے تکلفی بھی تھی لہٰذا میں ان کو Du کہہ کر پکارتا تھا۔ جبکہ مکرم کریچمر صاحب کو Sie (آپ) کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ پانچ گھنٹے کے اس سفر میں انہوں نے سعید شٹائن ہوئیزر کے ساتھ میری بے تکلفی کو دیکھا تو مسجد نور فرانکفرٹ پہنچنے کے بعد مجھے ایک طرف لے گئے اور مجھے کہنے لگے کہ میں لمبے عرصہ سے احمدی مسلمان ہوں۔ آپ مجھے Du کہہ کر مخاطب کیوں نہیں کرتے۔ مجھے ان کا پیار محبّت اور اخوّت کا یہ انداز بہت پسند آیا اور میں اس بے لوث محبت سے بہت متأثر ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے بہت عزیز ہیں چونکہ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں تو میں احتراماً آپ کو Sie کہہ کر مخاطب کرتا ہوں۔

خاکسار کو ایک بار ان کے گھر جانے کا اتفاق بھی ہوا۔ نہایت تپاک اور گرم جوشی سے میرا اِستقبال کیا اور اپنے گھر والوں سے بڑی خوشی سے میرا تعارف کروایا کہ یہ ہمارے امام ہیں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم پہلے احمدی مسلمان ہو جو میرے گھر ملنے آئے ہو۔ گویا ان کو اس بات پر بہت فخر اور خوشی تھی۔ غرض جماعت اور ممبران جماعت کے ساتھ نہایت محبّت، اِخلاص، وفا اور اخوّت کا تعلق رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے رحمت اور مغفرت کا سلوک فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

مکرم مولانا لئیق احمد منیر صاحب مربی سلسلہ تحریر فرماتے ہیں:

جب میں 1978ء میں ہمبرگ آیا تھا تو اس وقت جماعت کے ساتھ مکرم سعید کریچمر صاحب کا بہت اچھا تعلق تھا۔ چوہدری عبداللطیف صاحب کے زمانہ میں انہوں نے بیعت کی تھی، بہت ہی پیارے بزرگ تھے۔ ہانوفر کے قریب ان کی رہائش تھی۔ جماعت کے ساتھ ان کا بڑا مضبوط رابطہ تھا، ہمبرگ کا مشن اس وقت کاسل اور Düsseldorf تک کے لئے تھا۔ یہاں کی تمام جماعتیں اور احباب کا رابطہ ہمبرگ مشن کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ ہم ہمبرگ مشن میں ہونے والی مختلف تقریبات، اجتماعات، اجلاسات کی تمام جماعتوں کو اطلاع دیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس وقت جماعتوں اور دوستوں کی کوشش ہوتی تھی کہ ہمبرگ مشن میں جو پروگرام ہو وہ اس پر آجائیں۔ چونکہ آپ ہانوفر کے قریب رہتے تھے اس لئے اکثر تمام پروگراموں میں ہمبرگ آجایا کرتے تھے۔ اپنے آنے جانے کا کبھی انہوں نے خرچ نہیں لیا۔ اس وقت غالباً 65-60 سال ان کی عمر ہوگی۔ غالباً گھٹنے میں ان کو تکلیف تھی جس کی وجہ سے کرسی پر بیٹھا کرتے تھے۔ ان کا ہمبرگ کے علاوہ مقامی جماعت کے ساتھ بھی باقاعدہ تعلق تھا چنانچہ ہانوفر جماعت کے پروگراموں میں بھی شامل ہوتے تھے۔ چندہ باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ چندہ کے لئے Dauerauftrag کیا ہوا تھا۔ ہر لحاظ سے جماعت کے ساتھ ان کا عمدہ تعلق تھا۔ خلفاء سے بھی ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ ان کی ایک تصویر بھی تھی۔ میرے ذہن پر ان کا بہت ہی پیارا اثر ہے۔ ان کا معصوم چہرہ پیدائشی احمدی بزرگ کی طرح لگتا تھا۔ ان کی جرمن زبان کچھ مختلف قسم کی تھی۔ اور اس وقت میری جرمن زبان بھی زیادہ اچھی نہیں تھی اس لئے ان کے لئے ہم مترجم کا انتظام کرتے تھے۔ اس دور میں مترجم کا انتظام بھی سہل امر نہ تھا۔

محترم سعید کریچمر صاحب مسجد فضل عمر ہمبرگ کے عقبی لان میں

ایک نہایت مخلص افریقن دوست مکرم ڈاکٹر مبارک صاحب(Dr. Mubarak Osei Kwasi) ان کے ساتھ بات کرتے تھے۔ اردو زبان کے پروگراموں میں بھی زبان سمجھ نہ آنے کے باوجود شامل ہوتے اور انتہائی اخلاص و توجہ سے سیکھنے کی کوشش کرتے۔ ان کی وفات کے وقت مَیں جرمنی میں نہیں تھا۔

جماعت مہدی آباد کے ایک ابتدائی احمدی دوست مکرم محمد کولمبس خان صاحب لکھتے ہیں:

خاکسار جب 1979ء میں جرمنی آیا تو مسجد میں آنے والے اور باقاعدگی سے چندہ دینے والے جرمن احمدیوں میں سے ایک محترم سعید کریچمر صاحب بھی تھے۔ اُس زمانے میں مکرم لئیق احمد صاحب منیر مسجد فضل عمر ہمبرگ میں مبلغ سلسلہ تھے۔ بیرون ہمبرگ رہائش کی وجہ سے روزانہ مسجد حاضری نہ ہوسکتی تھی لیکن ماہانہ اجلاسات کے موقع پر کبھی کبھی سعید صاحب سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ مکرم لئیق احمد صاحب کا تبادلہ پاکستان ہوگیا تو ان کی جگہ مکرم حیدر علی صاحب ظفر ہمبرگ متعیّن ہوئے۔ آہستہ آہستہ نو مبائعین کی تعداد میں قدرے اضافہ ہوا اور کچھ افریقن احباب بھی تجنید میں شامل ہوئے۔ مکرم لئیق احمد صاحب کو دوبارہ 1984ء میں ہمبرگ بھجوا دیا گیا۔ اس وقت تک مختلف رنگ و نسل اور قومیّتوں پر مشتمل افراد کے ایک گروپ کی دینی تعلیم کے لئے مکرم لئیق احمد منیر صاحب نے ایک کلاس کا اجراء کیا جس کا

Im Namen Allahs, des Gnädigen, des Barmherzigen!

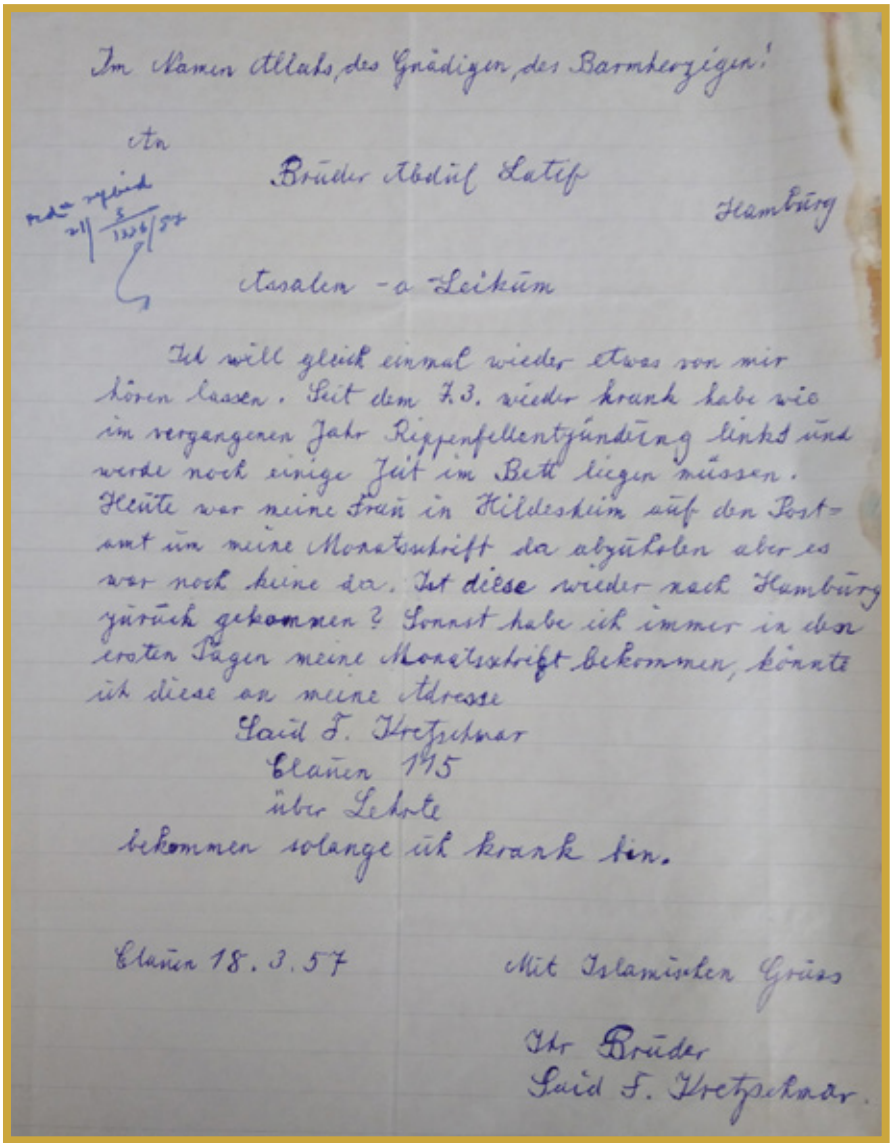

An
Brüder Abdul Latif
Hamburg

Asalem-o-Leikum

Ich will gleich einmal wieder etwas von mir hören lassen. Seit dem 7.3. wieder krank habe wie im vergangenen Jahr Rippenfellentzündung links und werde noch einige Zeit im Bett liegen müssen. Heute war meine Frau in Hildesheim auf den Post=amt um meine Monatsschrift da abzuholen aber es war noch keine da. Ist diese wieder nach Hamburg zurück gekommen? Sonst habe ich immer in den ersten Tagen meine Monatsschrift bekommen, könnte ich diese an meine Adresse
Said F. Kretzschmar
Clauen 145
über Lehrte
bekommen solange ich krank bin.

Clauen 18.3.57

Mit Islamischen Grüss
Ihr Brüder
Said F. Kretzschmar.

بیعت کرنے کے بعد محترم سعید کریچمر صاحب کا محترم چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی کے نام ایک پُرخلوص خط کا عکس

مقصد قاعدہ یسرناالقرآن سکھانا اور اردو زبان سے مانوس کرنا تھا۔ اس کلاس کی ذمہ داری خاکسار کو سونپی گئی۔ اس کلاس میں جرمن، فرانسیسی اور افریقی احباب و خواتین کی شرکت ہوتی تھی۔ مکرم سعید کریچمر صاحب اور ان کی اہلیہ (جو مسلمان تو نہیں تھیں لیکن بڑے شوق سے سیکھتی تھیں) بھی اس کلاس میں شامل ہوتے تھے۔ انہیں نہ صرف پڑھنا بلکہ لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ مکرم سعید کریچمر صاحب کی اہلیہ عموماً مسجد آتے وقت ساتھ کیک وغیرہ تیار کرکے لاتیں۔ محترم سعید صاحب کم گو مگر اسلام کے ساتھ تعلق پختہ رکھتے تھے۔ خاکسار کی اہلیہ اور بچے جب جرمنی آئے تو اپنے گھر میں ہماری دعوت کی اور بچوں کے ساتھ بزرگانہ شفقت سے پیش آئے۔ ایک بار دونوں میاں بیوی ہمارے گھر بھی تشریف لائے۔

مکرم سعید صاحب ہمبرگ کے مشہور سٹور Budnikowsky کے ہیڈ آفس میں کام کرتے تھے اور ریٹائر ہونے کے باوجود انہیں کام پر رکھا گیا تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد کام چھوڑ کر وہ جرمنی کے ایک پُرفضا مقام پر واقع دارالشیوخ (Altenheim) میں منتقل ہوگئے جہاں براہِ راست خونی رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ رابطہ کی کوئی صورت نہ رہی اور ان کے بارہ میں کسی ادارہ سے بھی معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کس حال میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مخلص اور باوفا دوست کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی نسلوں و خاندان کے دیگر افراد کو بھی اسلام کی آغوش میں آنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

نوروں نہلائے ہوئے قامتِ گلزار کے پاس
اِک عجب چھاؤں میں ہم بیٹھے رہے یار کے پاس

پیارے آقا کے ساتھ ملاقات
کے
یادگار لمحات

(مکرم حمزہ نصیر احمد صاحب۔ متعلم جامعہ احمدیہ جرمنی)

پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل ہونا ہر شخص کے لئے ہی ایک غیر معمولی تجربہ ہوتا ہے۔جس کے دوران بہت سی حیرت انگیز باتوں کے مشاہدہ کے ساتھ بہت سی برکتوں کا احساس نصیب ہوتا ہے۔حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بے پناہ مصروفیات کے باوجود احباب جماعت کو اپنے قیمتی وقت میں سے ملاقات کرنے کا موقع عطا فرماتے ہیں، اس اعتبار سے ہم بہت خوش قسمت ہیں جنہیں یہ شرف باریابی نصیب ہوتا ہے۔ آیئے ایسی ہی ایک ملاقات کی کیفیات اور برکات سے مستفیض ہوتے ہیں۔ خاکسار کی حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ سے یہ ملاقات نومبر 2019ء میں ہوئی تھی جب جامعہ احمدیہ جرمنی کی درجہ خامسہ دو ہفتے کے لئے جامعہ احمدیہ یوکے گئی ہوئی تھی۔

حضور انور نے حال دریافت فرمانے کے بعد سب سے پہلے کلاسوں کے تبادلہ (exchange) سے متعلق دریافت فرمایا اور بعض سوالات پوچھے۔ پھر خاکسار کے سوال پر کہ مطالعہ کس طرح کیا جائے اور باتوں کو کس طرح یاد رکھا جائے، فرمایا ”میں بھی اگر کوئی چیز سنتا ہوں تو وہ زیادہ اچھی طرح یاد کر لیتا ہوں۔ٹھہر ٹھہر کر سمجھ کر پڑھنا چاہیے ایک پیراگراف لو۔ پھر اسے ایک بار پڑھو۔ اور پھر دو تین بار پڑھنے سے سمجھ آتی ہے“۔

پھر فرمایا ”تمہارے جرمنی میں تبلیغ کی طرف بہت زور دیا جاتا ہے۔ تو اس کے لئے کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ روحانی خزائن ہیں، حضرت مصلح موعودؓ کی کتب ہیں۔ ان میں ہستی باری تعالیٰ جیسے مضامین شامل ہیں۔ ان میں حضرت مصلح موعودؓ نے نماز میں رقّت پیدا کرنے کے طریق سمجھائے ہیں۔ اس قسم کی باتیں گہرے مطالعہ سے ہی معلوم ہوتی ہیں۔ اب نماز ہے۔ جب سجدہ کرو تو اس وقت یہ تصوّر کرو کہ خدا تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ خدا تم کو بھی اور مجھے بھی اس طرح سجدہ کی روح سمجھنے کی توفیق دے“۔

سوال: حضور آپ کس طرح اور دن میں کتنے صفحوں کا مطالعہ فرماتے ہیں؟

”جب مجھے وقت مل جائے تو مطالعہ کر لیتا ہوں۔ کوئی صفحات معین نہیں ہیں۔ وقت ملے تو زیادہ کر لیتا ہوں یا پھر کبھی کم۔ میں نے یہ چھوٹی سی ڈائری رکھی ہوئی ہے۔مثلاً قرآن کریم کا مطالعہ ہے۔ کسی آیت پر غور کرتا ہوں تو اسے نوٹ کر لیتا ہوں۔ اور کوئی بات یا point بیان کرنے والا ہو تو میں اسے بھی لکھ لیتا ہوں“۔

(حضور انور نے اس ڈائری کو اُٹھا کر دکھایا)

فرمایا ”اب جمعہ کی تیاری کرنی ہوتی ہے تو زیادہ مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی بات یاد آجائے یا دل میں اس کی طرف توجہ ہو تو اس ڈائری میں لکھ لیتا ہوں اور پھر بیان بھی کر دیتا ہوں“۔

پھر فرمایا ”یہ دیکھو میری کتابوں پر چھوٹی چھوٹی مختلف رنگوں کی چٹیں لگی ہوئیں ہیں۔ نا؟ ان پر میں نے متعلقہ مضامین کے عناوین لکھے ہوئے ہیں“۔

فرمایا ”ادھر آؤ۔ میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے بالکل قریب چلا گیا تو فرمایا مجھے کتاب ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ اپنی تحریروں کی رو سے“ دو۔ یہ تمہارے سامنے پڑی ہے۔ مجھے کتاب مل نہیں رہی تھی۔ اصل میں حضور انور کے بالکل پاس کھڑا ہوا تھا اور بہت گھبرایا ہوا تھا۔ میں جلدی میں کبھی ادھر دیکھتا کبھی ادھر۔ مجھے گھبراہٹ کے ساتھ ساتھ یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں زیادہ دیر ڈھونڈنے کی وجہ سے حضور کو میری وجہ سے خود اٹھنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔ اللہ کا شکر ہے کتاب نظر آ گئی۔ میں نے اسے فوراً نکال کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔

فرمایا ”یہاں لاؤ“۔ حضور انور کو کتاب پیش کر کے میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ حضور نے اپنے پاس بلایا۔ اس دوران آپ نے ایک ہاتھ میں کتاب پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اپنا چشمہ لے کر اسے کھولنے کی کوشش کی تو ٹھیک طرح سے نہ کھل پایا۔ آپ نے کتاب کو اپنے سامنے ٹیبل پر رکھنا چاہا مگر سامنے اسکاچ ٹیپ پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اسے ہلکا سا ہٹایا۔ اس پر حضور انور نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور اسکاچ ٹیپ کو اس کی اصل جگہ پر رکھ دیا۔ کیا ہی اچھی خوبی ہے پیارے حضور کی۔ ہر چیز کی ایک جگہ مقرر کی ہوئی ہے۔

حضور نے اس کتاب کو کھول کر اس کے مضامین کی فہرست کے ایک ایک عنوان کو پڑھا اور ساتھ ساتھ دکھاتے جاتے کہ کس طرح حضور انور نے اس کتاب کے صفحات کے ساتھ مختلف انگریزی کتب کے صفحات کے نمبر بھی لکھے ہوئے تھے۔ فرمایا ”یہ اس لئے ہے تا کہ مجھے اگر انگریزی زبان میں تقریر کرنی ہو تو بار بار انگریزی کتاب کو دیکھنا نہ پڑے کہ فلاں حوالہ کس جگہ موجود ہے۔ ایک ہی جگہ اردو عنوان کے ساتھ ساتھ ہی انگریزی کا بھی حوالہ موجود ہے“۔ اس کے بعد حضور انور نے کتاب کے مختلف صفحات دکھائے جن میں حضور نے کچی پنسل کے ساتھ آیات کے حوالوں کے ساتھ ساتھ مختلف جملوں کو نشان زد بھی کیا ہوا تھا اور پیراگراف کے ساتھ جو تھوڑی سی جگہ ہوتی ہے اس پر بھی نوٹس لئے ہوئے تھے۔ حضور نے اس کتاب کے صفحات کو سرسری نظر سے ایک بار دکھایا۔ آپ نے اس کتاب کو بند کر کے ساتھ ہی فرمایا ”اس کتاب کی جلد دوم لاؤ“۔ میں نے پہلی جِلد کو واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا اور حضور کی خدمت میں دوسری جلد پیش کی۔ حضور نے اس کتاب کی فہرست مضامین نکال کر اسی طرح عناوین پڑھ کر سنائے اور ساتھ انگریزی جلد اور صفحات کے نمبر بھی۔

پھر ایک صفحہ پر رُک کر تفصیل سے سمجھایا ”یہ دیکھو یہ ایک عنوان ہے۔ اس عنوان کے آغاز پر ایک آیت ہے۔ میں نے ایک اور بھی آیت ساتھ شامل کر لی ہے۔ اس کا حوالہ بھی دیا ہوا ہے۔ پھر یہ نوٹس کتاب پر لیے ہیں“۔

قارئین کرام! حضور انور کا مطالعہ ہر لحاظ سے تعریف کے لائق ہے۔ کوئی ایسی جگہ نہ تھی جو حضور نے ذاتی نوٹس کے لئے استعمال نہ کی ہو۔ اس وقت میں نے ان نوٹس کو دیکھ کر دل میں سوچا کہ مطالعہ تو ہم بھی کرتے ہیں لیکن حضور انور نے تو باوجود دیگر مصروفیات کے اس کا حق ادا کیا ہے۔ اس دوران حضور کے میں بہت قریب کھڑا ہوا تھا۔ وقتاً فوقتاً آپ کے چہرۂ مبارک کی طرف نظر پڑتی تو دل میں کہتا کہ خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے یہ موقع نصیب کیا۔ تیرا پیارا خلیفہ ٹھہر ٹھہر کر، وقت نکال کر، ایک عظیم استاد کی طرح اپنے پاس بلا کر اتنے پیار سے سمجھا رہا ہے۔ خدایا! تیرے فضلوں اور نعمتوں کا کس طرح شکر ادا کروں ؏

یہ محبت تو نصیبوں سے ملا کرتی ہے

اس کے بعد حضور نے کتاب واپس رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ میں نے ابھی کتاب واپس رکھی ہی تھی کہ حضور نے ساتھ ہی فرمادیا ”اب تم نے بھی اسی طرح مطالعہ کرنا ہے، اچھا؟“۔ میں نے عرض کی ”جی حضور“

”چلو آ کر بیٹھ جاؤ“

میں نے عرض کی کہ حضور کھانا آج کل Chemicals سے بھرا ہوتا ہے۔ کسی بھی دکان یا مارکیٹ میں چلے جائیں۔ سبزیوں پھلوں وغیرہ میں Chemicals شامل کر دیتے ہیں۔ بحیرہ شمال جس کی مچھلی سارے یورپ میں استعمال ہوتی ہے، وہاں بھی بہت گند ہے۔ حضور نے فرمایا ”آج کل اس کی وجہ سے مختلف بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں اور کینسر بھی بڑھ رہا ہے۔ تم اپنی سبزی وغیرہ گھر میں خود لگاؤ، اسے استعمال کرو۔ organic۔ وہ کیا کہتے ہیں تمہاری جرمن زبان میں۔ Bio؟۔ میں نے عرض کی کہ ”جی“ فرمایا ”اس کا استعمال کیا کرو، میں بھی جب غانا میں تھا تو اپنی سبزی وغیرہ خود لگایا کرتا تھا۔ گھر میں جگہ ہے؟ حضور اتنی نہیں۔ فرمایا: ”اب جو مچھلی ہے اسے بھی ٹیکا وغیرہ لگا کر بیچتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہے یہ مرغی کو کس طرح بڑا کرتے ہیں۔ شروع میں اتنی سی ہوتی ہے۔ (ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا) اسے اِتنا موٹا پھیلا دیتے ہیں۔ اپنی سبزی لگاؤ، مرغی رکھو، اسی کا گوشت وغیرہ استعمال کیا کرو“۔

تم بھی اے کاش کبھی دیکھتے سنتے اس کو
آسماں کی ہے زباں یارِ طرحدار کے پاس

قارئین کرام! آخر پر یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلافت سے وفا اور محبت کے اس تعلق کو ہمارے دلوں میں اجاگر کرتا چلا جائے، ہم بھی اور ہماری نسلیں بھی اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر اور حفاظت کرنے والی ہوں، حضور انور کی ان قیمتی نصائح پر کماحقہ عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے اور یہ ہماری زندگیوں کا ایک مستقل حصہ بن جائیں، آمین۔

بقیہ: ایک نفرت انگیز خط از صفحہ 43

میں ایسی تعلیم ہے اور نہ ہی ہمارے پیارے نبی ﷺ کا اس قسم کا کوئی طریق کار تھا۔

چنانچہ اس اخبار نے اپنی 11 دسمبر 2020ء کی اشاعت میں ہمارا یہ مؤقف نصف سے زائد صفحہ پر مشتمل ایک خبر یہ کی شکل میں شائع کیا۔ پھر یکم دسمبر کو RTL اور SAT-1 کے نمائندے آئے اور انہوں نے بھی انٹرویو لئے اور مقامی خبروں میں ہمارا موقف نشر کیا۔ اسی طرح مقامی اخبار Elbe Wochenblatt نے بھی انٹرویو لیا۔ علاوہ ازیں ایک خاتون پولیس آفیسر کا خاکسار کو فون آیا۔ انہوں نے کہا کہ اخبار میں دھمکی آمیز خط کے متعلق پڑھ کر افسوس ہوا اور وہ بھی مسجد آنا چاہتی ہیں اور مسجد کو دیکھنے اور خاکسار سے گفتگو کی خواہشمند ہیں۔

اس طرح سے اس دھمکی آمیز اشتہار کا ہمیں بہت وسیع پیمانہ پر فائدہ ہوا کہ مسجد فضل عمر، ہماری جماعت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا چرچا ہوا۔ خاص طور پر کورونا وبا کے دنوں میں اس قسم کی اشاعت ممکن نظر نہیں آتی تھی، خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے مزید راستے کھول دیئے ہیں۔ خدا کرے کہ جماعت احمدیہ کا پُرامن پیغام جو اسلام کی حقیقی تعلیم پر مشتمل ہے اس قوم کے دلوں پر اثر کرے اور یہ لوگ اسلام کے خلاف نفرت کو دلوں سے نکال کر اسے قبول کر لیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مفسد اور شر پسند سے سب کو محفوظ رکھے، آمین۔

باد مارین برگ میں

پہلی مسجد ’بیت القدّوس‘ کا قیام

ایک وہ زمانہ تھا کہ جب ہندوستان میں مسلمان کروڑوں کی تعداد میں عیسائی ہو رہے تھے۔ اُس وقت حضرت امام الزمان علیہ السلام نے فرمایا تھا؎

’کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع‘

اگرچہ اس کے آثار حضورؑ کی زندگی میں ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے تاہم آج تو ہماری آنکھوں کے سامنے یہ بات اس طرح سے عملی طور پر پوری ہو رہی ہے کہ عیسائیت سے تعلق رکھنے والے بیزار ہو کر اسے ترک کرنے لگے ہیں۔ گزشتہ دنوں اللہ تعالیٰ نے یہ نظارہ جرمنی کے شہر باد مارین برگ (Bad Marienberg) میں بھی دکھایا جہاں Neuapostolische Kirche سے تعلق رکھنے والے عیسائیوں نے اپنے کلیسا کی عمارت اپنی مرضی سے جماعت احمدیہ کو فروخت کی ہے اور مقامی انتظامیہ نے اسے مسجد کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، الحمدللہ۔

باد مارین برگ جرمنی کے صوبے Rheinland-Pfalz کے مشہور علاقہ Westerwald میں ایک قصبہ ہے جس کی آبادی چھ ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ یہاں مقیم احمدیوں نے 30 سال قبل ایک مخلص دوست مکرم خواجہ مظفر احمد صاحب کے گھر میں نمازیں ادا کرنی شروع کی تھیں۔ اس کے دس سال بعد جب خواجہ صاحب موصوف کو اپنا گھر خریدنے کی توفیق عطا فرمائی تو انہوں نے اپنے گھر کا ایک بڑا کمرا جملہ سہولتوں کے ساتھ نمازوں کی ادائیگی اور دیگر جماعتی پروگراموں کے لئے وقف کر دیا۔ گزشتہ چند سالوں میں افرادِ جماعت کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا اور یہ جگہ بہت چھوٹی پڑ گئی، لہٰذا مسجد کے لیے موزوں جگہ کی تلاش شروع کی گئی۔ اس دوران مقامی احباب کے علم میں آیا کہ Neuapostolische Kirche کا ایک کلیسا برائے فروخت ہے۔ جماعت احمدیہ نے اس کلیسا کی انتظامیہ سے رابطہ کیا۔ دفتری کارروائی، شہری انتظامیہ سے اجازت، خرید و فروخت کے تمام مراحل اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت خوش اسلوبی اور تیزی کے ساتھ

طے ہوتے گئے۔ یوں یہ کلیسا جماعتِ احمدیہ جرمنی کے پاس آنے کے بعد خدائے واحد یگانہ کی عبادت کے لئے مسجد بن گیا، الحمدللہ۔ باد مارین برگ میں یہ پہلی مسجد ہے اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اسے مسجد 'بیت القدّوس' کا نام عطا فرمایا ہے۔ اس تمام کارروائی کے دوران حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعائیں ہمارے شاملِ حال رہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار کے نام ایک خط میں درج حضور انور ایدہ اللہ کے یہ الفاظ "اللہ تعالیٰ آپ کی جماعت کو اپنی مسجد کے لئے بہترین جگہ عطا فرمانے کے سامان فرمادے آمین" بڑی شان سے پورے فرمائے، الحمدللہ۔

عیسائیوں کے اس فرقے نے یہ خوبصورت اور مضبوط عمارت 1963ء میں گاؤں کی ایک اونچی جگہ پر تعمیر کی تھی۔ اس جگہ کا کل رقبہ 4668 مربع میٹر ہے اور مسقّف حصہ 334 مربع میٹر ہے جس میں ایک بڑا ہال 242 مربع میٹر پر مشتمل ہے اس ہال کے دونوں اطراف دفتری استعمال کے لئے کمرے ہیں جبکہ ہال کی ایک جانب خوبصورت گیلری بھی ہے۔ علاوہ ازیں تہ خانہ میں باورچی خانہ، غسل خانے اور ٹیکنکل روم ہے۔ اسی طرح بائیس گاڑیاں پارک کرنے کی گنجائش ہے۔

مؤرخہ 17 دسمبر کو صبح 10 بجے کلیسا کی اس عمارت کی چابیاں جماعتِ احمدیہ کے حوالے کی گئیں۔ چابیاں وصول کرنے کے موقع پر جماعت کی طرف سے مکرم سید حسن طاہر بخاری صاحب مربی سلسلہ نے چرچ انتظامیہ کے نمائندہ کو کتاب محمد ﷺ (جرمن ترجمہ) اور پھولوں کا تحفہ پیش کیا۔ اس کے بعد محترم امیر صاحب جرمنی کی آمد پر نماز ظہر وعصر کی ادائیگی کے ساتھ اس کا بطور مسجد آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلی اذان دینے کی سعادت مکرم انصر احمد صاحب کو حاصل ہوئی جو اس علاقے کے مربی سلسلہ ہیں جبکہ نمازیں مکرم صداقت احمد صاحب مبلغ انچارج جرمنی نے پڑھائیں۔ اگلے روز محترم مولانا صداقت احمد صاحب مبلغ انچارج جرمنی نے ظہر وعصر کی نمازیں پڑھائیں، بعد ازاں مکرم و محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ جرمنی نے اس تاریخی موقع پر احباب جماعت سے مختصر خطاب کیا جس میں آپ نے سب احباب کو مبارک باد پیش کی اور خدا تعالیٰ کا پہلے سے بڑھ کر شکر ادا کرنے، نیز ہمسایوں کے حقوق ادا کرنے کی طرف خاص توجہ دلائی۔ اسی طرح نصیحت فرمائی کہ اپنے علم کو بڑھانے کی کوشش کریں جماعتی کتب کا مطالعہ کریں اور اسلام کا پُرامن پیغام دوسروں تک پہنچائیں۔ یہ بات بھی حقوق العباد میں شامل ہے۔ اب تو آپ کے پاس باقاعدہ جگہ موجود ہے اس لیے اسلام کا تعارف بھرپور طریق سے یہاں لوگوں کو کروائیں۔ اللہ تعالیٰ اس جگہ کو جماعت کے لئے بابرکت کرے اور ہم وہ دن جلد دیکھیں جب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اس مسجد کا باقاعدہ افتتاح فرمائیں، آمین۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی جماعت جرمنی کو عطا فرمودہ سو مساجد اسکیم کے تحت 55 مساجد کا افتتاح ہو چکا ہے۔ اس اعتبار سے جماعت باد مارین برگ میں اس مسجد کے قیام کے ساتھ مکمل ہونے والی مساجد کی تعداد 56 ہو گئی ہے، الحمدللہ۔

مسجد کے لئے یہ جگہ جماعت گروس گیراؤ کے دو مخلص دوستوں مکرم انصر افضل صاحب اور مکرم فراز احمد کنگ صاحب نے خرید کر خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کی ہے۔ علاوہ ازیں اس عمارت کی خرید کے سلسلہ میں شعبہ سو مساجد کے عہدیداران کے ساتھ ساتھ مکرم نعمان خالد صاحب مربی سلسلہ، مکرم عاطف عزیز صاحب اور مقامی جماعت کے متعدد اراکین مجلس عاملہ نے بہت تعمیری اور اہم کردار ادا کیا، اللہ تعالیٰ کسی طرح بھی قربانی کرنے والے ان تمام افراد کے اخلاص اور اموال ونفوس میں بے انتہا برکت عطا فرمائے، آمین۔

احباب جماعت سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ جرمنی کو جلد از جلد سو مساجد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(نوٹ: یہ خبر مکرم حافظ مظفر عمران صاحب، ایڈیشنل سیکرٹری جائیداد برائے سو مساجد اور مکرم آصف محمود صاحب صدر جماعت احمدیہ باڈمارین برگ جرمنی کی مرسلہ رپورٹس سے ماخوذ ہے)

الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماہ جنوری میں ہونے والے بعض الہامات

21 جنوری 1898ء:

"مَیں نے تہجُّد میں اس (یعنی طاعون کے متعلق) کے متعلق دُعا کی تو الہام ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ

(تذکرہ صفحہ 260۔ الحکم جلد 5 نمبر 27 مؤرخہ 24 جولائی 1901ء صفحہ 1)

27 جنوری 1905ء

حضرت اقدس کے دائیں رخسار مبارک پر ایک آماس سا نمودار ہوا جس سے بہت تکلیف ہوئی۔ حضورؑ نے دعا فرمائی تو ذیل کے فقرات الہام ہوئے۔ دَم کرنے سے فوراً صحت حاصل ہوگئی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الْکَافِیْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الشَّافِیْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الْغَفُوْرِ الرَّحِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الْبَرِّ الْکَرِیْمِ۔ یَاحَفِیْظُ۔ یَاعَزِیْزُ۔ یَارَفِیْقُ۔ یَا وَلِیُّ اشْفِنِیْ۔

(تذکرہ صفحہ 442۔ البدر جلد 4 نمبر 4 مؤرخہ یکم فروری 1905ء صفحہ 3)

3 جنوری 1906ء

اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَۃً۔ حَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنَاھَآ اَنَّھُمْ لَایَرْجِعُوْنَ۔ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ"۔

ترجمہ: مَیں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس اچانک آؤں گا۔ جس بستی کو ہم ہلاک کر دیں اُن پر پھر واپس آنا حرام ہے اور ہم نے تجھ سے وہ بوجھ اُتار دیئے جنہوں نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔

(تذکرہ صفحہ 501۔ بدر جلد نمبر 1 مؤرخہ 5 جنوری 1906ء صفحہ 2)

مکرم مولانا لئیق احمد منیر صاحب۔ مربی سلسلہ حال ہمبرگ

ایک نفرت آمیز خط
تبلیغ اسلام کا ذریعہ بن گیا

دنیا میں عموماً اور یورپ میں خصوصاً مسلمانوں کے بارہ میں میڈیا میں ہر وقت خبروں کی بھرمار لگی رہتی ہے کہ مسلمان تشدد پسند اور دہشتگرد ہیں۔اس کے نتیجہ میں سادہ لوح عوام متأثر ہوتے ہیں اور دین اسلام اور قرآن کریم کے بارہ میں یہ تصور قائم کر لیتے ہیں کہ واقعی اس دین کی یہی تعلیم ہے اور ہر مسلمان گویا دہشتگردی کو اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہے۔ ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃالمسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سالہا سال سے اس غلط تصور کی اصلاح فرما رہے ہیں اور جگہ جگہ اپنے خطابات میں اسلام کی اصل تعلیم اور تصویر پیش فرما کر اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔ اس کے باوجود میڈیا کا پھیلایا ہوا زہر اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ عام لوگوں کے لئے اس حقیقت کو سمجھنا بہت مشکل ہو گیا ہے اور بعض لوگ تو جماعت احمدیہ کو بھی اسی صف میں کھڑا دیکھتے ہیں۔

میڈیا کے زیر اثر کسی ایسے ہی شخص نے چند ہفتے قبل مسجد فضل عمر ہمبرگ میں بھی ایک اشتہار نما نفرت آمیز گمنام خط ڈاک کے ذریعہ بھجوایا۔جس میں دہشتگردی کی بعض تصاویر دکھا کر اسلام اور مسلمانوں کے لئے نازیبا الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ اس طرح سے ایک طرف تو ہمیں دھمکی دی گئی اور دوسری طرف سادہ لوح لوگوں میں اسلام کے خلاف نفرت آمیز مواد پھیلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اگرچہ یہ اشتہار ہمارے خلاف شائع کیا گیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کے بہت ہی مثبت نتائج پیدا فرمائے، الحمدللہ۔

Freitag, 11. Dezember 2020

HAMBURG

Eine Moschee kämpft gegen den Hass

Im ältesten islamischen Gotteshaus der Stadt hat Fanatismus keinen Platz. Die Gemeinde will Vorurteile abbauen

JENS MEYER-ODEWALD

STELLINGEN :: Auf den Imam kommt heute reichlich Arbeit zu. In seinem kleinen Büro im rechten Flügel der Fazl-e-Omar-Moschee im Stadtteil Stellingen studiert er die Tagespresse, bereitet fünf tägliche Gebete des Tages sowie Vorträge für seine Gemeinde über den Koran vor. Außerdem muss der islamische Theologe Laeeq Ahmed Munir Antwort auf aktuelle Fragen von außerhalb geben: Was sind die passenden Reaktionen auf Gewaltexzesse terroristischer Einzeltäter in jüngster Zeit?

Ahmadiyya Muslim Jamaat, mit rund 40 Millionen Mitgliedern in mehr als 200 Ländern der Erde die weltweit größte Gemeinschaft organisierter Muslime, lehnt jede Form von religiöser Gewalt ab. Auch wenn diese Glaubensrichtung innerhalb der islamischen Welt mit unterschiedlichen Strömungen keine führende Rolle spielt, ist sie in Hamburg traditionell fest verankert. Das 1957 an der Wieckstraße errichtete Gebäude mit Minarett und Kuppeln ist nicht nur die älteste Moschee Hamburgs, sondern auch die erste, die nach dem Zweiten Weltkrieg in Deutschland gebaut wurde.

Wir passen in keine Schublade und leben gut mit unserem eigenständigen Charakter

Fazal Ahmad, Jurist und Repräsentant der Gemeinschaft in Hamburg

Die Bürger in der ruhigen Wohngegend haben sich längst an ihre zurückhaltenden Nachbarn gewöhnt. In Schnelsen unterhält die Gemeinschaft ein weiteres Gotteshaus. Als einzige islamische Körperschaft des öffentlichen Rechts hierzulande ist sie den großen christlichen Kirchen rechtlich gleichgestellt. „Liebe für alle, Hass für keinen", sagt Imam Munir bei Kaffee und Bienenstich. Damit gibt der 69 Jahre alte Geistliche das Motto der 3000 Mitglieder umfassenden Hamburger Gemeinde wieder. Diese ist – über Stellingen hinaus – für offene Türen, Dialogbereitschaft und ein Bekenntnis zum Grundgesetz der Bundesrepublik Deutschland bekannt.

Die meisten Angehörigen der staatstragenden Ahmadiyya-Bewegung sind in der Hansestadt gesellschaftlich gut integriert. „Wir fühlen uns hier zu Hause", bestätigt Laeeq Ahmed Munir. Ihm zur Seite sitzt Fazal Ahmad als offizieller Repräsentant der Gemeinschaft. Der Jurist betreibt in Wandsbek eine Anwaltskanzlei: „Wir passen in keine Schublade und leben gut mit unserem eigenständigen Charakter", sagt der 43-Jährige.

Anhänger seiner Glaubensrichtung werden zum Beispiel in Pakistan, Indonesien und in arabischen Ländern bedroht und verfolgt. Im Gegensatz zu anderen Muslimen glauben die Ahmadiyya, dass der vom Propheten Mohammed vorausgesagte Messias als Reformer des Islam nicht zukünftig erscheinen wird, sondern bereits erschienen ist – und zwar in Gestalt seiner Heiligkeit Mirza Ghulam Ahmad.

Im Gegensatz zu vielen anderen islamischen Moscheen in Deutschland werden die Gotteshäuser in Stellingen und Schnelsen nicht von ausländischen Regierungen gesteuert. „Weder die Moschee noch die Ahmadiyya-Bewegung sind Beobachtungsobjekte", sagt Marco Haase vom Verfassungsschutz auf Nachfrage. „Diese Moschee präsentiert sich sehr offen", weiß Staatsminister Niels Annen. Berührungsprobleme habe er nie gespürt. Der SPD-Bundestagsabgeordnete war mehrfach Gast im Gotteshaus an der Wieckstraße. Auch Hamburgs Zweite Bürgermeisterin Katharina Fegebank war 2017 und 2019 Gast des traditionellen Iftar-Empfangs anlässlich des Fastenmonats Ramadan.

Besuchern bleibt die traditionelle, wertkonservative Religionsausübung nicht verborgen. Wie im Islam üblich, beten Frauen und Männer in der Moschee getrennt. Dabei tragen Frauen Kopftücher. Auf einer Tafel stehen Namen der Spender, die den Moscheebau vor 63 Jahren ermöglichten. Auch die Deutsche Bank und die Commerzbank sind aufgelistet.

„Die Ahmadiyya-Gemeinde zeichnet sich durch Offenheit gegenüber der Gesellschaft, Loyalität gegenüber dem deutschen Staat und klare Distanzierung von Gewalt aus", sagt der Hamburger Bundestagsabgeordnete Christoph de Vries. Dennoch seien Parallelen zum konservativen Islam unübersehbar. Beispiele seien eine Geschlechtertrennung im Kindesalter, sehr patriarchalische Rollenbilder, ein Verbot von Homosexualität und die wortwörtliche Auslegung des Koran.

Laeeq Ahmed Munir kennt die Fragen deutscher Mitbürger. Der fünffache Familienvater lebt seit 1978 in Deutschland. Dreimal war der Imam in Hamburg im Einsatz, derzeit seit elf Jahren. Wegen Corona dürfen sich statt sonst 100 Muslimen nur 15 Gläubige auf dem rot gemusterten Teppichboden im Gebetsraum versammeln. Umso wichtiger sind Onlinevorträge über die 114 Suren mit mehr als 6000 Versen des Koran. Dabei wechselt sich Munir mit dem Imam der Schnelsener Moschee ab. Ein Thema ist die zuletzt in Frankreich und Wien von islamistischen Extremisten ausgeübte Gewalt. „Der Islam erlaubt solche Verbrechen nicht", stellt der Imam klar. Es handele sich um „unislamische Taten". Man müsse die Gesetze achten. „Der Islam gehört auch zu Deutschland", sagt sein Glaubensbruder Fazal Ahmad.

Die 50.000 deutschen Mitglieder finanzieren den Betrieb ihrer mehr als 60 Moscheen und 200 zusätzlich angemieteten Räume ausschließlich durch Spenden. Informationsmaterial und ein eigener Fernsehsender tragen dazu bei, über den Islam aufzuklären. Die Botschaft ist unmissverständlich: „Ja zu interreligiösem Dialog und Toleranz, Nein zu Fanatismus und Terror."

اس خط کی محترم نیشنل امیر صاحب جرمنی اور پولیس کو فوری اِطلاع کی گئی جس کے بعد مقامی طور پر مکرم فضل احمد صاحب پریس سیکرٹری اور مکرم داؤد عطا صاحب سیکرٹری تبلیغ ہمبرگ نے لوکل امیر مکرم شاہد احمد صاحب کی ہدایت پر مقامی میڈیا پریس، ریڈیو اور ٹی وی والوں کو مطلع کیا اور انہیں مسجد فضل عمر آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ 11 نومبر 2020ء کو ہمبرگ کی اخبار Hamburger Abendblatt کے نمائندہ خصوصی مسجد آئے جہاں ان کے ساتھ ایک تفصیلی نشست ہوئی جس کے دوران انہیں صورت حال سے آگاہ کیا گیا، مسجد کی تاریخ بتائی گئی اور جماعت احمدیہ کی قیام امن کے لئے عالمی کوششوں کی تفصیل پیش کی گئی اور واضح کیا گیا کہ نہ تو قرآن کریم

باقی صفحہ 40 پر

SMA
Gebäudereinigung GmbH

Vor der Heeg 3 a
56470 Bad Marienberg

info@sma-gruppe.de
www.sma-gruppe.de

02661 950935
02661 950943

- Baustellenreinigung
- Glasreinigung
- Grundreinigung
- Dampfreinigung
- Unterhaltsreinigung

demnächst:

- Kanalreinigung

Wir sind ein zuverlässiges Unternehmen, welches europaweit tätig ist.

Dank langjähriger Erfahrung im Bereich der professionellen Gebäude-reinigung verfügen wir über ein breites Leistungsspektrum.

Unser Fokus liegt auf Qualität, Umwelt- und Arbeitsschutz, Wirtschaftlichkeit und besonders auf einer freundlichen, persönlichen Beratung.

Gerne stellen wir Ihnen ein persönliches Angebot zusammen.

Muzaffar Ahmad Khawaja

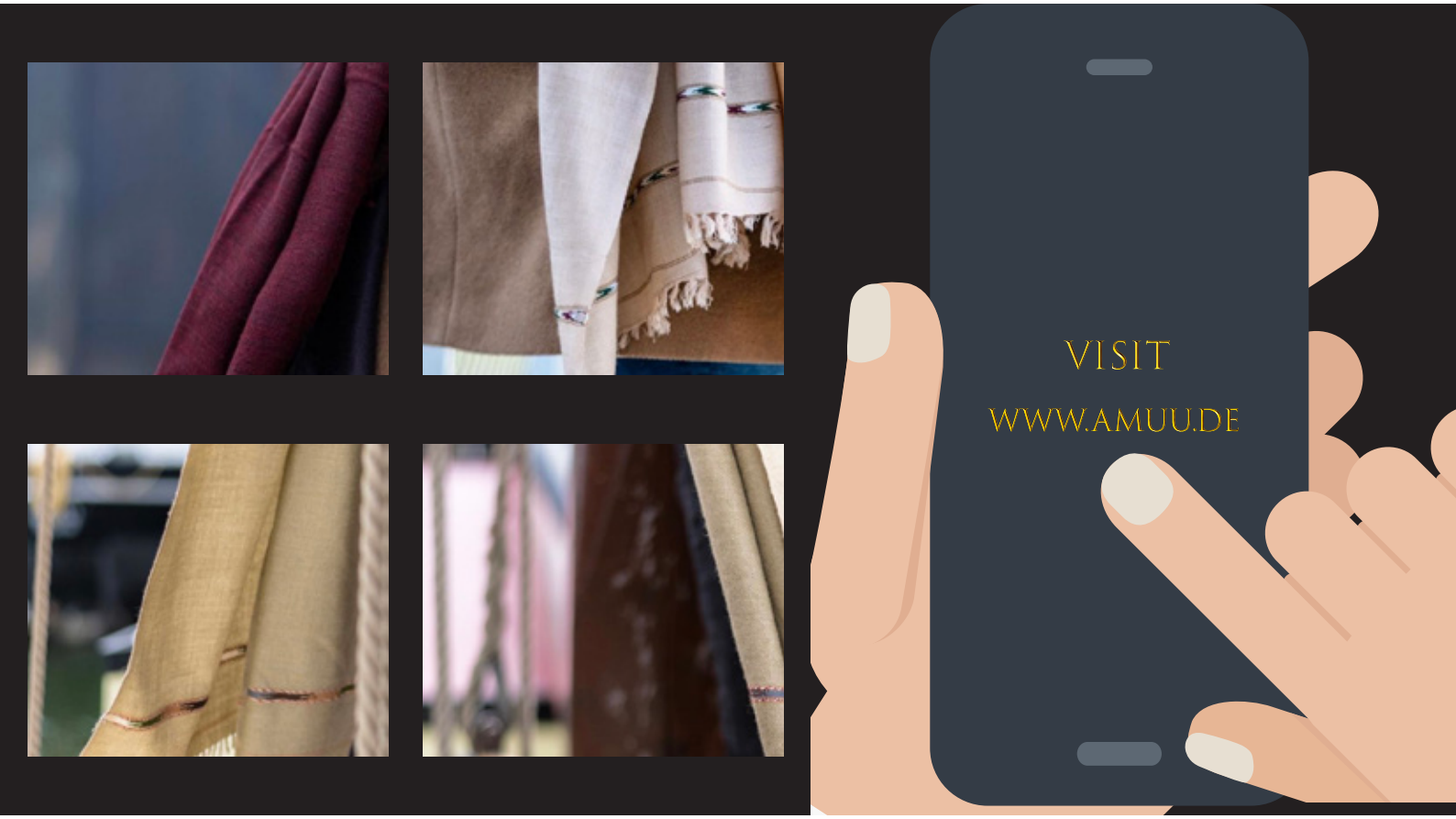

(رپورٹ: نجم الثاقب۔ صدر جماعت احمدیہ فلڈا)

جماعت احمدیہ فُلڈا کے لئے
شہری اعزاز

دینِ اسلام کے احکام دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے تو ان کی ادائیگی کی جماعتِ احمدیہ کو ہر ایک سطح پر بفضلِ خدا توفیق ملتی ہے۔ گو کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رسولِ اکرمؐ کی سنّت پر عمل کرنے کی غرض سے کیے جاتے ہیں، تاہم دُنیا بھی ان کو سراہتی ہے۔

جماعتِ احمدیہ فُلڈا کو اپنے شہر میں کورونا کی وبا کے دوران مختلف جہات سے خدمت کی توفیق ملی، الحمدللہ۔ خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کی تنظیموں نے مل کر شہر میں 30 ضرورت مند گھروں کی مدد کی جس میں ان کے گھر سودا سلف پہنچانا شامل ہے۔ نیز 12 افراد نے خون کے عطیے دیے۔ اسی طرح افرادِ جماعت نے ڈھائی ہزار ماسک سی کر مختلف اداروں میں پہنچائے اور شہر میں اسٹال لگا کر تقسیم بھی کیے۔ جب شہر کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے اسٹال لگا کر ماسک تقسیم کیے گئے تو ایک خاتون نے آبدیدہ ہو کر شکریہ ادا کیا۔ ایک اور عمر رسیدہ صاحب نے اس بات کا اظہار کیا کہ "پہلے ہم لوگ آپ جیسوں سے فاصلہ رکھ کر گزر جایا کرتے تھے، اب آپ کی اس خدمت کی وجہ سے لوگ آپ کے سامنے قطار باندھے کھڑے ہیں۔"

شہر فُلڈا کی اِنتظامیہ نے شہر میں کی گئی مختلف تنظیموں کی خدمات کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایک پروگرام کا انعقاد کیا جس میں بہت سے معززین شہر، مختلف تنظیموں کے نمائندگان اور رئیس شہر جناب ڈاگ ویہنر (Dag Wehner) نے شرکت کی۔ جناب میئر نے اس موقع پر کہا "کورونا وبا کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ انسان ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوئے ہیں۔ اور صرف افرادِ خانہ ہی نہیں بلکہ ساکنانِ شہر بھی ایک دوسرے کے قریب ہوئے ہیں" (Fuldaer Zeitung یکم اکتوبر 2020ء)۔ نیز جناب میئر نے جماعت احمدیہ کا تعارف کروایا۔ اس موقع پر جماعت احمدیہ کے نمائندہ محترم طارق نواز صاحب نے اسوہ حسنہ کی روشنی میں اسلام کی انسانی خدمت کے موضوع پر روشنی ڈالی۔ اور انسانیت کی خدمت کے بارہ میں اسلام و احمدیت کی تعلیم بیان کی جس کا حاضرین پر بہت گہرا اثر ہوا۔ مزید برآں اس پروگرام میں اعلان کیا گیا کہ مختلف رفاہی اور سماجی خدمات بجالانے میں جماعتِ احمدیہ سب سے آگے رہی ہے۔ چنانچہ اس کے اعتراف کے طور پر جماعت فلڈا کو شہری اعزاز کی سند دی گئی جس کے ساتھ 1200 یورو کی رقم بھی انعام کے طور پر تھی۔ یہ رقم فوری طور پر جماعت کی طرف سے دو فلاحی تنظیموں "Fuldaer Tafel e.V" اور "I love Hope" کو عطیہ کر دی گئی۔

اس موقع پر ایم۔ٹی۔اے کے نمائندہ نے جناب میئر کا انٹرویو بھی لیا جس میں میئر نے کہا کہ جماعت احمدیہ کو یہ انعام دینے کا فیصلہ ہم نے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ ہماری ان کاوشوں کو لارڈ میئر صاحب نے بھی ایک علیحدہ ملاقات میں سراہا اور کہا کہ ہمیں خدمتِ انسانیت کے میدان میں اَور بھی آگے بڑھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کرے کہ جماعت احمدیہ فُلڈا کے لیے یہ اعزاز مزید برکتیں سمیٹنے والا ہو اور جماعت کی مجموعی ترقی میں اضافہ کرنے والا ہو۔ آمین۔

Ihr KFZ - GUTACHTER

Zafar Khan

Sachverständiger für Kraftfahrzeuge aller Art

Mobiler Vor-Ort-Express-Service im Rhein-Main-Gebiet

- ✓ Kostenlose **Beratung** nach einem Verkehrsunfall
- ✓ **Komplettservice** für die Schadenabwicklung
- ✓ Erstellung eines unabhängigen **Unfallgutachtens**
- ✓ **Direkte Abrechnung** mit der gegnerischen Versicherung

Kostenlose **Gutachtenhilfe:**

Falls Sie mit dem erstellten Gutachten der Versicherung nicht zufrieden sind oder es nicht ihrer Erwartung entspricht, können Sie **kostenlos** das Gutachten bei uns überprüfen lassen.

Frankfurter Str. 135
63303 Dreieich
Tel:06103-9883103
Fax:06103-9883101
Mobil:0172-9825124
E-Mail: kb3eich@gmail.com

مکرم بلال داؤد کاہلوں صاحب

خاکسار کا سب سے بڑا بیٹا عزیزم بلال داؤد کاہلوں تین ہفتہ کی علالت کے بعد مؤرخہ 7دسمبر 2020ء کو بقضائے الٰہی اپنے مولا کے حضور حاضر ہوگیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

عزیزم کی عمر محض 45برس تھی، بچپن میں پولیو ہوجانے کی وجہ سے ٹانگوں میں معذوری مستقل شکل اختیار کرگئی تھی مگر مرحوم نے اس معذوری کو زندگی میں کبھی آڑے نہیں آنے دیا اور ایک خوددار انسان کی طرح باوقار زندگی گزاری۔ مسجد جاکر نماز باجماعت ادا کرتا اور ہر جماعتی پروگرام اور تقریب میں پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شیریں لحن سے نوازا تھا چنانچہ مقامی پروگراموں کے ساتھ ساتھ جلسہ سالانہ کے موقع پر بھی خوش الحانی کے ساتھ نظمیں پڑھنے کی توفیق ملتی رہی، الحمدللہ۔

مرحوم بہت شریف النفس، نیک اور صالح وجود تھا۔ بہت پیار کرنے والا، ہر ایک سے بے حد ادب سے پیش آنے والا، جماعت سے اور خلفا سے محبت رکھنے والا، غریب پرور، خوش اخلاق، سعادت مند انسان تھا۔ ہروقت دوسروں کی مدد کرنے کے مواقع تلاش کرتا۔ مرحوم کے پسماندگان میں اہلیہ اور تین بیٹے شامل ہیں۔

(چودھری داؤد احمد کاہلوں، سابق صدر مجلس انصاراللہ جرمنی)

محترمہ نذیر بیگم صاحبہ

خاکسار کی والدہ محترمہ نذیر بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم بہاول بخش صاحب مرحوم بعمر 72سال 14 دسمبر 2020ء کو چک سکندر نمبر 30 تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں وفات پاگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ امّی جان پنجوقتہ نماز کی پابند، باقاعدگی سے روزے رکھنے والی خلافت سے صدق وصفا کا تعلق رکھنے والی تھیں۔ صبح سویرے اٹھ کر نماز فجر کے بعد خوبصورت آواز میں قرآن کریم کی تلاوت آج بھی ہمارے کانوں میں رس گھول رہی ہے۔ اسی طرح آپ ایک بہادر اور نڈر خاتون تھیں اور سلسلہ پر ہر لحہ نثار ہونے کے لئے

بلانے والا ہے سب سے پیارا

اعلانات وفات ودعائے مغفرت

تیار رہتیں۔ خاکسار 1989ء میں اسیر راہ مولیٰ رہا اس وقت میری امی جان نے میرا حوصلہ بڑھایا اور دوسری بار 04 ستمبر 2003 سے 25/مارچ 2011ء تک اسیر راہ مولیٰ رہا تو بھی ہمیشہ ملاقات پر آکر مجھے حوصلہ دیتی رہیں۔ دوسری مرتبہ اسیری میں خاکسار کو سزائے موت سنائی گئی تھی۔ اس دوران بڑی دلیری سے سزائے موت کی کوٹھڑی میں آکر ملاقات کیا کرتیں۔ اس موقع پر محترم مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ ہمارے گھر تشریف لے گئے اور امی جان سے اظہار ہمدردی فرماتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا کہ بے قصوروں کو سزا دے دی گئی ہے تو امی جان بے ساختہ کہنے لگیں میاں صاحب! میرے آٹھ بیٹے ہیں، میں چاہوں گی کہ یہ بھی دین کی خاطر قربان ہوجائیں۔ (بشارت احمد۔ جماعت Göttingen)

محترم چودھری محمد عبداللہ صاحب

خاکسار کے سب سے چھوٹے بھائی مکرم چودھری محمد عبداللہ صاحب مورخہ 14 دسمبر 2020ء کو بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کو ایک لمبے عرصہ سے سانس کی تکلیف تھی اور وفات سے تین ہفتہ قبل کورونا کے باعث ہسپتال میں داخل ہوئے اور پھر اسی علالت میں آپ اپنے مالکِ حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے۔

مرحوم اپریل 1952ء میں محترم چودھری عبدالغنی صاحب کے ہاں راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا حضرت مولوی عبدالعزیز صاحبؓ آف چک سکندر ضلع گجرات حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے صحابی تھے۔

آپ نہایت ہی شفیق انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل توکل اور پختہ ایمان تھا، خلافت سے محبت کرنے والے، نماز روزہ کے پابند، خوش گفتار، ملنسار، خدمت گزار، ہمیشہ مسکرانے والا وجود تھے، عزیزوں رشتہ داروں خصوصاً واقفین زندگی کا خیال رکھنے والے، غریب پرور انسان تھے، جماعتی عہدیداروں کا احترام کرنے والے، مالی قربانی میں پیش پیش، باشرح چندہ ادا کرنے والے اور دعاگو انسان تھے، بہت پابندی اور اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرنے والے تھے۔ دو مرتبہ عمرہ کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ آپ نے اپنے بہن بھائیوں، رشتہ داروں سے ہمیشہ بہت ہی پیار کا تعلق رکھا۔ صرف اپنوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ غیروں سے بھی بہت پیار کرتے اور خیال رکھتے تھے۔ جلسہ سالانہ قادیان 2018ء کے موقع پر شمولیت کا موقع ملا تو بہت خوش تھے اور کہتے تھے کہ یہاں آکر سانس کی تکلیف ٹھیک ہوگئی ہے۔ جلسہ کے بعد بھی کئی روز تک قادیان رہے۔

آپ مئی 1971ء میں جرمنی تشریف لائے تھے اور زیادہ عرصہ کولون جماعت میں ہی گزرا۔ آپ کی شادی ایک مخلص جرمن نژاد نو احمدی خاتون محترمہ آمنہ انیتہ چودھری صاحبہ سے ہوئی جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹا اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ چھوٹی بیٹی کی شادی مکرم ارسلان علی باسط صاحب سے ہوئی۔ (چودھری عبدالشکور، جماعت کولون)

محترمہ پروفیسر صادقہ شمس صاحبہ

خاکسار کی والدہ محترمہ پروفیسر صادقہ شمس صاحبہ زوجہ نعمت اللہ شمس صاحب مؤرخہ 25 دسمبر بعمر 80سال ربوہ میں وفات پاگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ حضرت میاں فتح دینؓ صاحب گوندل صحابی حضرت مسیح موعودؑ کی نواسی اور حضرت مولوی فضل الدینؓ صاحب آف مانگٹ اونچے صحابی حضرت مسیح موعودؑ کی بھتیجی تھیں۔ آپ موصیہ تھیں۔ والدہ صاحبہ نے 1966ء میں جامعہ نصرت کالج ربوہ میں پولیٹیکل سائنس کی لیکچرار کے طور پر خدمت کا آغاز کیا اور 2000ء میں جامعہ نصرت ربوہ سے بحیثیت پرنسپل ریٹائر ہوئیں۔ مؤرخہ 29 دسمبر کو آپ کی نماز جنازہ مکرم محمد محمود طاہر صاحب مربی سلسلہ نے پڑھائی جس کے بعد تدفین حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے بہشتی مقبرہ دارالفضل ربوہ میں ہوئی۔

آپ نے پسماندگان میں چار بیٹے اور ایک بیٹی سوگوار چھوڑے ہیں۔ (اسامہ لقمان۔ کارکن آئی ٹی بیت السبوح جرمنی)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کے ساتھ مغفرت کا سلوک کرتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین

Ihr Partner für finanzielle Sicherheit

Gebäude & Betriebsversicherung

Immobilienfinanzierung
Bausparen

Staatliche Förderungen

Hausrat -
Haftpflichtversicherung

Bank

KFZ -Versicherung

Strom & Gas

Rechtsschutzversicherung

Allfinanz Beratung

Gesundheitsvorsorge

Job & Karierre

Nebentätigkeit mit
Karierremöglichkeit
zu vergeben.

Ihr Finanzberater für alle Ihre finanziellen Themen

Mohammad Eijaz

Büro für Finanzberatung
Rüsselsheimerstr. 22
60326 Frankfurt
Mobil 0172 3567927
Telefon 069 40955984
Fax 069 76061916
Mohammad.Eijaz@web.de

مسجد بیت القدّوس کی چابیاں وصول کرنے کے بعد
محترم سید حسن طاہر بخاری صاحب مربی سلسلہ چرچ
انتظامیہ کے نمائندہ کو تحفہ پیش کرتے ہوئے۔

بادمارین برگ میں مسجد بیت القدّوس کے قیام کے بعد
پہلی مرتبہ مؤرخہ 17 دسمبر 2020ء کو نماز ظہر وعصر
ادا کی جارہی ہے

احباب جماعت بادمارین برگ
مؤرخہ 17دسمبر 2020ء کو نمازوں کی ادائیگی کے بعد
مکرم عبداللہ واگس ہاؤزر صاحب امیر جماعت جرمنی اور
مکرم صداقت احمد صاحب مبلغ انچارج جرمنی کے ہمراہ

Monthly

Germany

AKHBAR-E-AHMADIYYA

VOL 22 | ISSUE 01 | JANUARY 2021

ISSN : 2627-5090
Tel : +49 6950688722
Fax : +49 6950688722
Editor : Muhammad Ilyas Munir